تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

٦ ذی قعدہ ١٣٨٤ھ مطابق ١٠ مارچ ١٩٦٥ء

ایڈیٹر سید محمد الحسنی

معاون سعید الاعظمی ندوی

چندہ سالانہ
سات روپے
فی پرچہ ۳۰ پیسے

شعبہ
تعمیر و ترقی
دارالعلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

Phone No 22948

Regd No L 1981

TAMEER-E-HAYAT

DARULULOOM NADWATULULAMA LUCKNOW (INDIA)

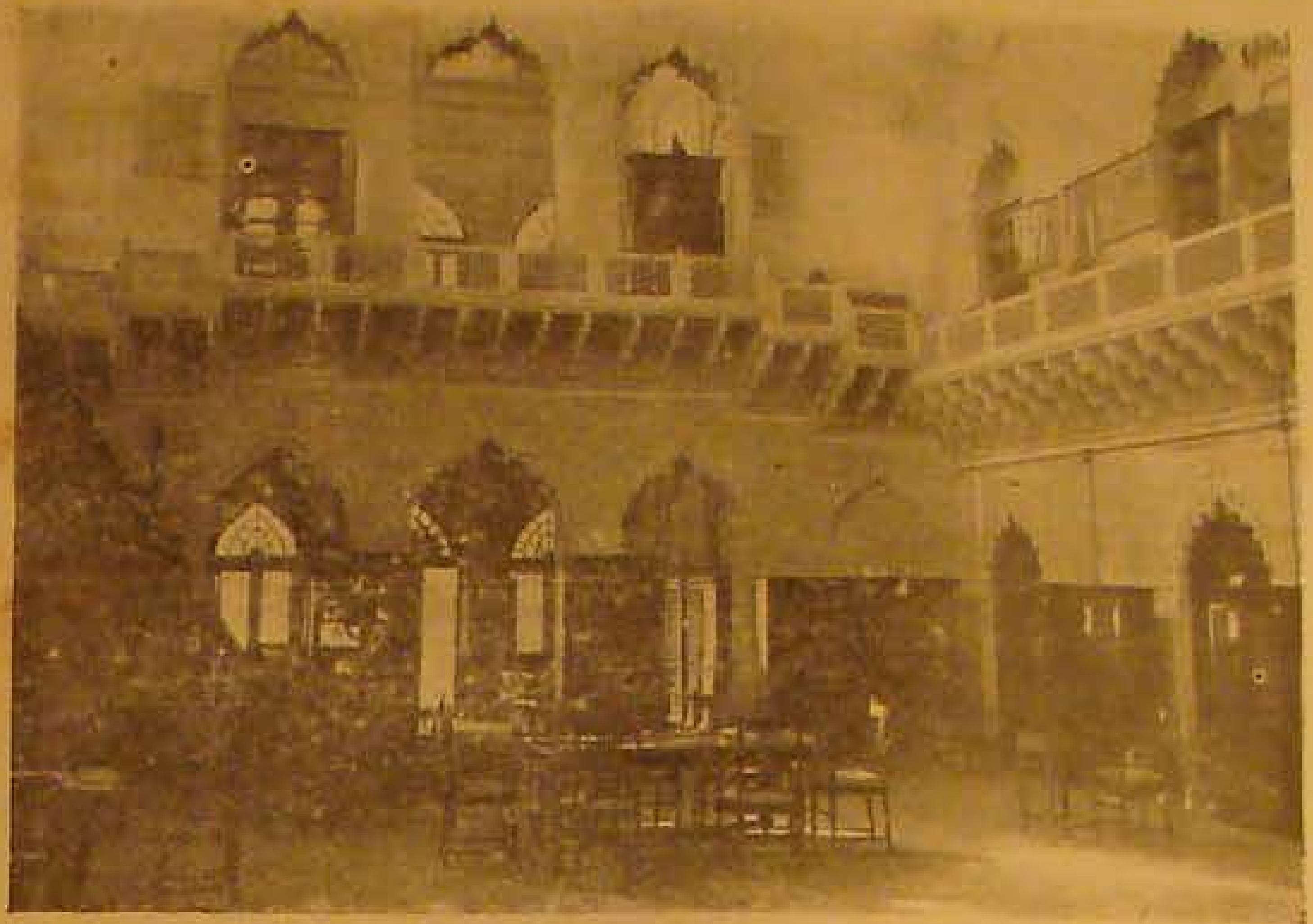

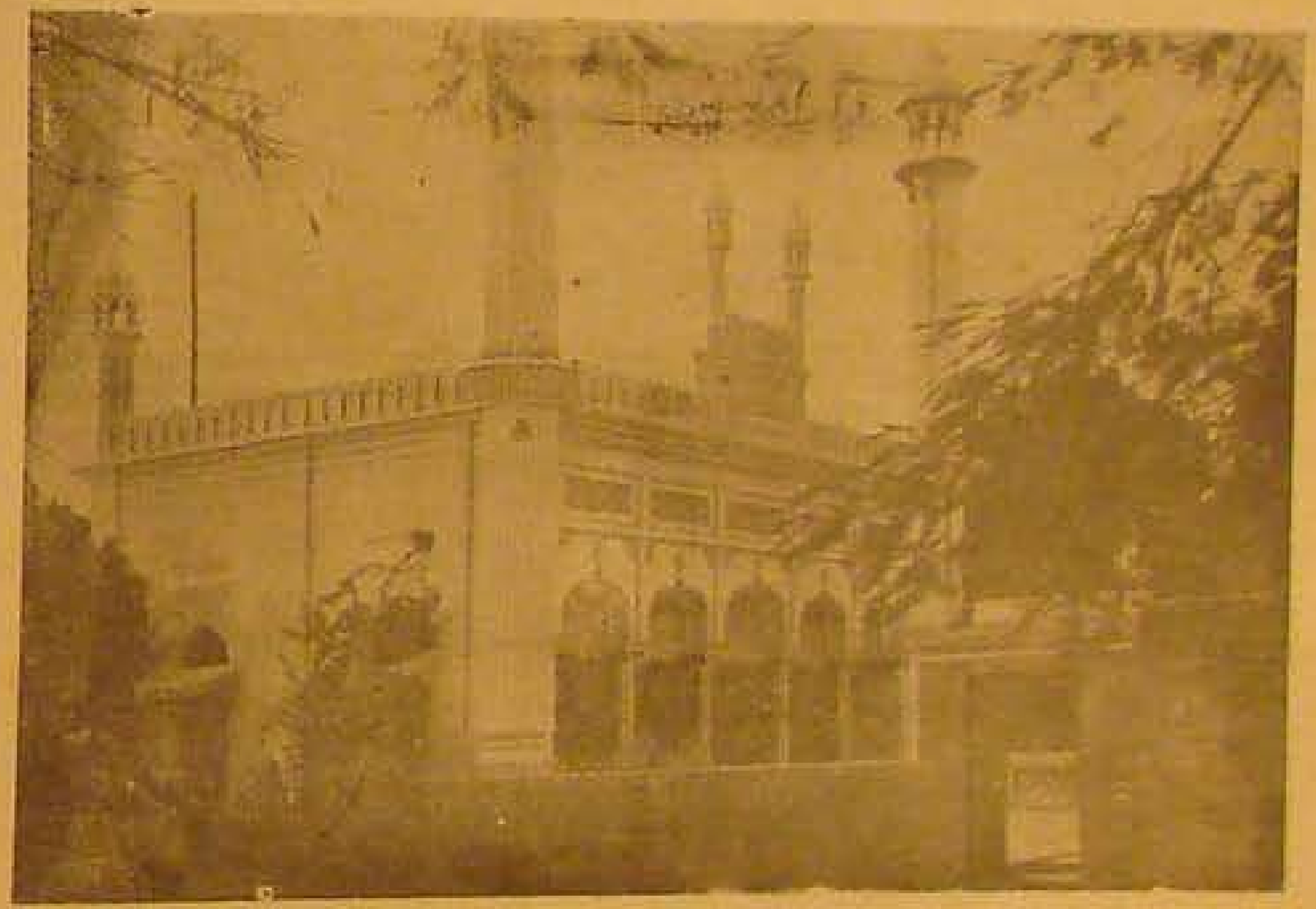

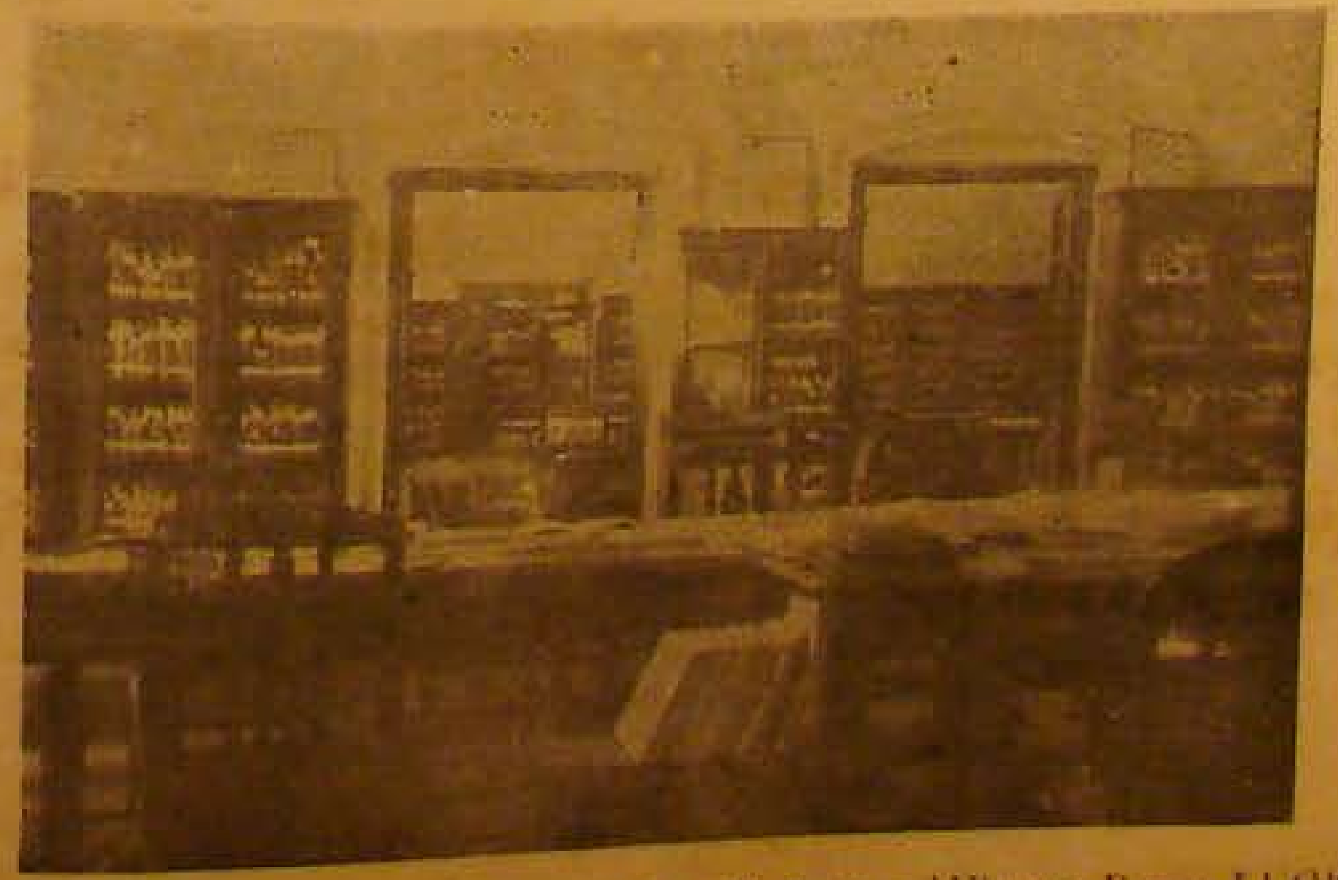

Cover Printed at NadwatulUlamas Press LUCKNOW

پندرہ روزہ

تعمیر حیات لکھنؤ

جلد ۲
شمارہ ۹

سالانہ
۷/- روپے
فی پرچہ
۳۰ پیسے

شعبۂ تعمیر و ترقی ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۰ مارچ ۱۹۶۵ء مطابق ۵ ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزم صادق اور اخلاص ہر کامیابی کی کلید ہے

دار العلوم کے تعلیمی سال کے آغاز پر مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا طلبہ سے خطاب !!

"دار العلوم کے تعلیمی سال کے آغاز کے موقع پر اس مرتبہ اس کا افتتاحی جلسہ ۷ مارچ ۶۵ء کو سلیمانیہ ہال میں منعقد ہوا، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء نے اس موقع پر مفصل تقریر کی، یہ تقریر ریکارڈ ہوئی، عبد العلیم لبتوی نے قلم بند کی اور مولوی معین الدین احمد ندوی نے اس کی ترتیب دی، ان کے شکریے کے ساتھ یہ تقریر "تعمیر حیات" میں شائع کی جا رہی ہے کہ اس کا پیغام نہ صرف دار العلوم ندوہ کے طلبہ تک محدود ہے، بلکہ برصغیر کے تمام عربی مدارس کے لئے عام ہے،"

اما بعد عزیز طلبہ!

یہ آپ کا تعلیمی سال شروع ہو رہا ہے۔ اور ہر طرح مناسب ہے کہ سال کے شروع میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کی جائیں اور قیام و تعلیم کے کچھ مشورے دیئے جائیں۔ آپ کو زیادہ یقین دلانے کی ضرورت نہیں کہ جو اچھی سے اچھی باتیں ہو سکتی ہیں اور زندگی کے سارے مطالعے اور تجربات کا نچوڑ ہو سکتا ہے وہ آپ کے سامنے رکھا جائیگا۔ اس لئے کہ ہر وہ قیمتی سے قیمتی بات جو برسوں کے تجربے کے بعد حاصل ہوتی ہے اور جو مدتوں سے سینے میں امانت ہے اگر آپ سے اس وقت نہ کہہ دی جائے تو کس وقت اور کس موقع پر کہی جائے گی، میرے نزدیک آپ سے زیادہ اس کا کوئی حقدار نہیں ہے۔ یوں تو باتیں بہت کچھ کہنے کی ہیں، لیکن میں جس وقت یہ خیال کرتا ہوں کہ مجھے ان عزیز طلبہ سے خطاب کرنا ہے جو بہت دور سے اپنے سینوں میں بہت سی امیدیں لیکر آئے ہیں۔ اور جن کے والدین نے بہت سی توقعات وابستہ کرکے ان کو بھیجا ہے، تو مجھے اچھی خاصی کشمکش پیش آتی ہے کہ کیا کہوں اور کیا نہ کہوں۔ پھر بھی ہر چیز کی ایک خوراک ہے۔ اگر خوراک سے زیادہ دوا دیجائے تو بجائے فائدے کے الٹا نقصان ہوتا ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ جب زیادہ باتیں ہوتی ہیں تو انسان کا ذہن ان کو برداشت نہیں کر پاتا اور وہ اس کو بھول جاتا ہے۔ اس لئے اگرچہ میرے ذہن میں اس وقت بہت سی باتیں ہیں لیکن میں ان میں سب سے اہم اور ضروری باتیں کہوں گا۔

پہلی بات یہ ہے کہ عام طور سے جب کسی مدرسے میں طلبہ کا استقبال کیا جاتا ہے تو ان سے کہا جاتا ہے کہ اس مدرسے میں آپکے مقصد کی تکمیل کے لئے ہر قسم کا سامان مہیا ہے، بہترین اساتذہ موجود ہیں، شفیق مربی ہیں، کھانے اور رہنے کا معقول انتظام ہے، اور سب سے بڑھ کر تعلیم کا ماحول ہے، لیکن میں آج آپ سے یہ نہیں کہوں گا کہ اس مدرسے کی کیا خصوصیات ہیں، یہاں کیسے کیسے فاضل اساتذہ موجود ہیں، تعلیم و تربیت کا کیا سامان مہیا ہے، کتنا وسیع کتب خانہ ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان تمام باتوں کا یہاں معقول ترین انتظام ہے، میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں۔ لیکن میں جان بوجھ کر آپ سے یہ باتیں نہیں

کیوں کہ اس لئے کہ اس سے وہ قوت ارادی ظاہر نہیں ہوتی جو ہونی چاہئے اس سے طالب علم کے اندر اطمینان کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں جس حالت میں بھی رہوں، ارادہ کروں یا نہ کروں، اور اس میں محنت کروں یا نہ کروں، منزل مقصود پر بہر حال پہونچ جاؤں گا۔ میں اس وقت اپنے لئے ایک نازک راستہ اختیار کرنا چاہتا ہوں جو ممکن ہے میرے حق میں مضر ہو لیکن میں بصراحت کہتا ہوں کہ یہاں جو کچھ بھی ہوگا وہ آپ کی محنت، جذبہ اور عزم سے ہوگا۔ اگر مجھے یہ اطمینان ہوتا کہ آپ کشمکش اور غلط فہمی میں نہیں پڑ جائیں گے تو میں کہتا کہ یہاں آپ کو عالم فاضل بنانے کے لئے یا آپ کی امیدوں کو پورا کرنے کے لئے کوئی سامان نہیں، لیکن اس پر زور دینے سے اندیشہ ہے کہ معلوم نہیں آپ کیا سمجھ بیٹھیں۔ آپ میں ہر قسم کے لڑکے ہیں بڑے بھی ہیں اور چھوٹے بھی ہیں، ذہنوں میں بھی تفاوت ہے۔ پھر بھی بالکل صفائی سے کہوں گا کہ یہاں جو کچھ بھی ہوگا آپ کی محنت سے ہوگا، آپ کے جذبہ اور عمل سے ہوگا اگر آپ کے اندر یہ جذبہ ہے کہ آپ یہاں سے عالم فاضل بن کر جائیں۔ علوم اسلامیہ کی خدمت کریں۔ دنیا کے گوشے گوشے میں دین کی اشاعت کریں۔ علوم اسلامیہ کے کسی شعبے میں مہارت پیدا کرنا چاہیں تو یہ آپ ہی کی محنت سے ہو سکتا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں ہو سکتی۔ میرا تاریخی تجربہ ہے اور آپ بھی جب کبھی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوں گے تو آپ کو تاریخ میں کچھ شخصیتیں ابھری ہوئی نظر آئیں گی تاریخ میں بھی اونچ نیچ ہے جس طرح آپ کی زمین اونچی نیچی ہے اسی طرح تاریخ بھی ہے۔ تاریخ میں آپ کو کچھ شخصیتیں نظر آتی ہیں جو آپ کے سامنے مجسم بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قد و قامت اور عظمت کے پیچھے ہماری پوری تاریخ چھپ گئی ہے۔ یہ وہ شخصیتیں ہیں جنھوں نے اپنی محنت و طلب سے یہ کمال پیدا کیا اور جو کچھ بھی حاصل کیا اپنے عزم سے حاصل کیا۔ بے شک تاریخ میں ان کے اساتذہ کا بھی تذکرہ ملے گا، تاریخ یہ بھی بتائے گی کہ ان پر ان کے اساتذہ کا بڑا احسان ہے لیکن اگر آپ ان کی آواز سن سکیں اور ان کا جذبہ احسان مندی و تشکر اس کی اجازت دے تو وہ یقیناً یہی کہیں گے کہ عزیزو! اساتذہ کے فیض کا انکار نہیں ہے لیکن . . . . ہیں جو کچھ ملا ہے ہماری محنت سے اور ہمارے عزم سے ملا ہے اور تمہارے لئے کار آمد بات یہی ہے صحابہ کو چھوڑ کر اس لئے کہ وہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیمیا اثر صحبت کا ثمرہ تھے تم جس فرد کو بھی دیکھو تمھیں صاف نظر آئے گا کہ جو کچھ بھی کسی کو ملا ہے وہ اس کو اپنی محنت سے ملا ہے۔

عزیزو! تمہارے لئے کہہ دینے کی بات ہے اگر اس پورے مجمع میں دو چار دس آدمی ایسے ہوتے جو تمہارے مستقبل کو دیکھ سکتے تو انھیں یہ معلوم ہوتا کہ تم میں جو بھی باکمال نکلیں گے وہ وہی ہوں گے جنھوں نے آج ہی عزم کر لیا ہے کہ انھیں ساری مشکلات کے باوجود، ساری رکاوٹوں اور دشواریوں کے ہوتے ہوئے تمام مصائب و آلام کا سامنا کرتے ہوئے باکمال اور صاحب فیض بن کر نکلنا ہے۔

اگر تمہارے اساتذہ، تمہارے والدین، تمہارا پورا ماحول، غرض کہ دار العلوم کا ذرہ ذرہ یہ طے کرے کہ فلاں کو امام غزالی بنانا ہے۔ اول تو کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ کوئی یہاں امام الحرمین جیسا ہے جس نے امام غزالی جیسا حجۃ الاسلام بنا دیا، لیکن اگر دار العلوم ندوۃ العلماء کے سارے ارکان انتظامی بھی یہ طے کریں کہ وہ اپنا سارا کاروبار چھوڑ کر اپنی ساری مصروفیات کو پس پشت ڈال کر زید، عمر، بکر یا کسی بھی طالب علم کو امام غزالی بنا کر دم لیں گے اور وہ سب کچھ چھوڑ کر یہاں چلے آئیں اور اللہ کے فضل سے ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ ایسے بہت سے اللہ کے بندے موجود ہیں کہ اگر ان کے کان میں ادنیٰ سی بھنک پڑ جائے کہ ان کے یہاں چلے آنے سے ان کا لڑکا اور ان کا چشم و چراغ صاحب فیض ہو جائے گا تو وہ اس میں ادنیٰ تامل نہیں کریں گے اور فوراً ساری مصروفیات کو خیرباد کہہ کر یہاں آجائیں گے — اگر اس باغ کا چپہ چپہ اور زمین کا ذرہ ذرہ غرض کہ ساری خارجی اور داخلی طاقتیں مل کر ایک آدمی پر محنت کریں اور چاہیں کہ تم ایک صالح، مخلص اور باعمل بن کر نکلو تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ اللہ کا قانون ہے کہ اس نے انسان کے اندر ایسی صلاحیتیں رکھی ہیں کہ جسکو باکمال بننا ہے اس کے اندر عزم کی صلاحیت بھی ہے۔ یہ فضل الٰہی ہی نہیں عدل الٰہی کے عین مطابق ہے۔ اس نے والدین پر بوجھ نہیں ڈالا، اساتذہ پر ذمہ داری نہیں عائد کی، یہ قانون الٰہی نہیں کہ درخت کوئی لگائے اور پھل کوئی کھائے۔ جس کو پھل کھانا ہے اسی کو درخت لگانا ہے اور اس کی آبیاری بھی کرنا ہے۔ اس لئے میرے عزیزو! یہ تمہاری بڑی ذمہ داری ہے۔ تمہارے والدین کی دعائیں بیشک مستجاب ہیں۔ تمہارے اساتذہ کی دعائیں اور دوائیں بیشک کارگر ہیں، کسی مدرسے کا حسن انتظام کتب خانے کی وسعت اور خارجی انتظامات ان سب کا اثر پڑتا ہے لیکن یہ سب مل کر اگر چاہیں کہ کسی کو عالم بنا دیں تو نہیں کر سکتے۔

اگرچہ اس وقت میں اس مدرسے کی حق تلفی کر رہا ہوں اور اسکے ساتھ ناانصافی کر رہا ہوں، لیکن میں تم سے صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر تم یہ سمجھ کر آئے ہو کہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ بہت باکمال ہیں اس کی شہرت بہت زیادہ ہے، یہاں کی سندیں بڑی بڑی جامعات اور یونیورسٹیوں میں مقبول ہیں، یہاں کی تاریخ بہت روشن ہے۔ اگر تم نے اس میں سے کسی بات پر تکیہ کیا تو تم اسی وقت اس غلط فہمی کو دور کر لو مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے کہ تم میں سے دو چار دس لڑکے جو اس امید پر آئے تھے واپس چلے جائیں گے۔ میں صاف صاف کہہ دیتا ہوں کہ اگر تمہارا خیال ہے محض درس میں شریک ہونے سے، یہاں رہنے سے، یہاں کی کتابوں کی ورق گردانی سے تم منزل مقصود پر پہونچ جاؤ گے تو اس غلط فہمی کو اسی وقت دور کر لو۔

ہاں اگر تم نے عزم کر لیا ہے کہ اگرچہ سارا ماحول ملکہ میری مخالفت کرے، میرے راستے میں روڑے اٹکائے لیکن جب تک میری جان میں جان ہے میں نے عزم کر لیا ہے کہ یہاں سے باکمال اور صاحب فیض بن کر نکلوں گا، میں وہ شخصیت بن کر نکلوں گا جو اس امت کو اس پرفتن دور میں مطلوب ہے۔ یا جاں رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید،

اگر تم نے یہ عزم کر لیا ہے تو تمہارے لئے سب کچھ یہیں ہے۔ تمہارا مکہ یہیں ہے تمہارا مدینہ یہیں ہے، شام و مصر کا نام کیا لوں، میں سب کچھ دیکھ چکا ہوں اور ہر وادی سے گذر چکا ہوں

"مرے دیکھے ہوئے ہیں مشرق و مغرب کے میخانے"

میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سرزمین تمہارے لئے متبرک ہے یہ کنواں جو تم دیکھ رہے ہو یہ زمزم کا کنواں ہے، یہ مسجد جس کے منارے نظر آرہے ہیں نعوذ باللہ بیت اللہ ہے، ایسا تو کوئی کافر ہی کہہ سکتا ہے، بلکہ یہ ایک عام شہر ہے جو معصیتوں اور آلائشوں سے پر ہے، فتنوں اور ظلمتوں سے پر ہے۔ لیکن میں ایک بار کہوں گا کہ تمہارا مکہ یہیں ہے تمہارا مدینہ یہیں ہے۔ تمھیں مکہ تک پہنچانے والا راستہ یہیں سے ہو کر گذرا ہے، . . . . ہے، بلکہ تمھیں علم نبوی کے خزانے تک پہنچانے والا راستہ یہیں ہے۔ اگر تم نے ندوے کو شیطان کے محل تک پہنچنے کا ایک پل نہیں سمجھا ہے۔ اگر تم نے یہ نہیں سوچا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سیکھ کر حضرت عمر و حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی زبان سیکھ کر جن کی ایک لغزش مستانہ نے ساری دنیا کو ہلا دیا۔ دنیا کے ٹھیکروں کے حصول کا ایک ذریعہ بناؤ، اگر تم بتخانے کے آذر نہیں بننا چاہتے تو میں تم سے کہتا ہوں کہ تم کو ابراہیم ؑ تک پہنچانے والا راستہ یہی ہے۔ یہاں سے تم سیدھے بیت اللہ تک جا سکتے ہو۔ تمہاری عظمت کا خزانہ یہیں ہے۔ اگر تم نے عزم کر لیا ہے کہ تمھیں یہ خزانہ تلاش کرنا ہے اپنا خون پسینہ بہا کر اپنے سینہ پر تیشہ چلا کر، تو تمھیں اپنی روزی یہیں ملے گی۔ میرے عزیزو! اسی زمین کے اندر تمہاری قسمت کا خزانہ دفن ہے اگر تم نکالنا چاہتے ہو تو یہیں سے نکال سکتے ہو۔ اگر تمھیں نہیں

(بقیہ ص ۱۵ پر)

اپنے گھر سے بیت اللہ تک

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اگر محبت کی یہ گرمی اور سوز، فطری یا کسی طور پر موجود ہے تو روز بروز منزل کی کشش بڑھے گی، جب اس سرزمین مقدس کی جلی پہاڑیاں اور تپتی ہوئی ریت دور سے کہیں کہیں دکھائی دے گی جس میں کوئی مادی کشش اور کوئی ظاہری حسن نہیں، تو سو جان سے اس پر قربان ہو جانے کا جی چاہے گا اور اس کے ذرہ ذرہ میں دلآویزی اور محبوبیت معلوم ہوگی۔

لیجئے اعلان ہو رہا ہے کہ فلاں وقت ہمارا جہاز ہندوستانیوں کے میقات یلملم کے محاذات میں پہونچے گا حجاج احرام باندھنے کے لئے تیار رہیں، آج کئی دن سے تلبیہ کی مشق اور لبیک لبیک کی صدا گونج رہی ہے، دیکھتے دیکھتے وہ وقت آگیا، لوگ پہلے سے غسل کئے ہوئے نماز پڑھ کر احرام کی دو بے سلی چادریں، ایک اوپر ایک نیچے باندھے تیار تھے، بعض کے سر پہلے سے کھلے اور بعض کے ڈھکے تھے کہ ایک دم سے سیٹی بجی، سر کھل گئے اور ہر طرف سے صدا بلند ہوئی لبیک اللّٰھم لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے پہلے مدینہ طیبہ کا عزم کیا ہے انھوں نے ابھی احرام نہیں باندھا، وہ مدینہ طیبہ سے چل کر ذوالحلیفہ سے جس کو آج کل "بیر علی" کہتے ہیں، احرام باندھیں گے جو اہل مدینہ کا میقات ہے اور جہاں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا تھا۔

وقت گذرتے دیر نہیں لگتی، اب جدہ پہونچنے کی باتیں ہونے لگیں، تیر کی طرح ایک کشتی آئی، ارکانی عرب جہاز پر چڑھا، اور حجاج یورپین کپتان کی ناخدائی سے نکل کر ایک باخدا جہاز راں کی رہنمائی میں آئے، بات کرتے کرتے جہاز لنگر انداز ہوا۔ ملاحوں کا لشکر غریب حجاج پر ٹوٹ پڑا، حجاج بادبانی کشتیوں اور موٹر لانچ کے ذریعہ جدہ کے پلیٹ فارم یعنی عرب کی سرزمین پر پہونچ گئے[1]

هذا الذی کانت الایام تنتظر

فلیوف للّٰه اقوام بما نذروا

دل سینے سے نکلا جاتا ہے، کیا واقعی ہم عرب کی سرزمین پر ہیں، کیا ہم اب دیار محبوب میں ہیں، کیا ہم مکہ معظمہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہیں؟ ؎

اینکہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب

سامان کا انتظام کیا اور اپنا پاسپورٹ دکھلاتے اور معلم کا نام بتاتے پلیٹ فارم سے باہر آئے۔ اللہ اللہ در و دیوار سے عاشقیت ٹپکتی ہے، مکہ معظمہ ابھی دور ہے اور مدینہ طیبہ اس سے بھی دور، جدہ کوئی مقام نہیں، نہ یہاں بیت اللہ، نہ یہاں مسجد نبوی، نہ یہ حرم ابراہیم نہ یہ حرم رسول، لیکن محبت کا آئین نرالا ہے، اس کو کیا کیجئے کہ جدہ کی گلیوں سے بھی انس اور محبت معلوم ہوتی ہے، غریب الدیار مسافر کو یہاں پہونچ کر بوئے انس آئی، برسوں کی محبت نے اپنی پیاس بجھائی، محبت فلسفہ اور قانون سے آزاد ہے، یہاں کے قلی اور مزدور سیاہ فام سوڈانی اور پیراہن دریدہ بدو بھی دل کو اچھے لگتے ہیں، یہاں کے دوکانداروں، خوانچہ فروشوں کی صدائیں معصوم بچیوں اور بچوں کی گیتیں جن میں وہ حجاج سے سوال کرتے ہیں، دل میں اتری چلی جاتی ہیں۔ محبت عقل کو تنقید کی فرصت ہی نہیں دیتی اور اچھا ہے کہ کچھ دن اس کو فرصت نہ دے ؎

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

قافلہ کو پہلے مدینہ طیبہ جانا ہے، دو تین دن حکومت کے مطالبات ادا کرنے میں اور موٹر کے انتظار میں گزرے لیجئے انتظار کی گھڑیاں تمام ہوئیں، موٹر آگئی، موٹر پر سوار ہوئے، سامان بار کیا، اچھا ہے کہ ایک عربی داں سمجھدار ساتھی ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ جائے تاکہ نماز پڑھنے اور ضروریات کے لئے روکنے میں آسانی ہو بہتر ہے کہ ڈرائیور کے ساتھ کچھ سلوک کر دیا جائے راستہ میں بڑی راحت ملے گی، موٹر روانہ ہوئی، راستہ میں درود شریف سے بہتر کیا وظیفہ اور مشغلہ ہے، نمازوں کے اوقات میں موٹر روکی گئی، اذان و جماعت کے ساتھ نماز ہوئی، منزلیں آئیں اور گذر گئیں، غربت کے مارے نیم برہنہ عرب بچے اور بچیاں جن کے جسم پر کپڑوں کے تار اور دھجیاں تھیں، موٹر کا دور تک تعاقب کرتیں اور آخر تھک کر رہ جاتیں، ان کی غربت کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں کتنے صحابہ کرام کی اولاد اور عراق و شام کے فاتحین کی نسل میں سے ہیں، ایمانی اور مادی حیثیت سے اگر کوئی شہزادہ کہلانے کا مستحق ہے تو ساری دنیا کے یہ شاہزادے اور دنیائے اسلام بلکہ عالم انسانیت کے محسنوں اور مخدوموں کی یہ اولاد ہیں، بے حقیقت سکوں کے ساتھ جو آپ اپنی حقیر خواہشات میں بے دریغ خرچ کرتے رہتے ہیں، اگر آنسو کے چند قطرے بھی آپ بہا دیں تو شاید گناہوں کا کچھ کفارہ ہو جائے۔

نظر اٹھا کر دیکھئے۔ یہ دونوں پہاڑوں کی قطاریں ہیں کیا عجب ہے کہ ناقہ نبوی اسی راستے سے گذری ہو، یہ فضا کی دلکشی یہ ہوا کی دلآویزی اسی وجہ سے ہے ؎

الا ان وادی الجزع اضحی ترابه
من المسك کافورا واعواده رندا
وما ذاك الا ان هند عشیة
تمشت وجرت فی جوانبه بردا

لیجئے مسیجد شجرہ آگئی، اب بیر علی (ذوالحلیفہ) کی باری ہے ؎

منزل دوست چوں شود نزدیک
آتش شوق تیز تر گردد!

درود شریف زبان پر جاری ہے، دل وفور شوق سے امنڈ رہا ہے، عرب ڈرائیور حیران ہے کہ یہ عجمی کیا پڑھتا ہے اور کیوں روتا ہے، کبھی عربی میں گنگناتا ہے، کبھی دوسری زبانوں میں شعر پڑھتا ہے۔

بھینی بھینی ہوا ہے اور ہلکی ہلکی چاندنی، جس قدر طیبہ قریب ہوتا جا رہا ہے۔ ہوا کی خنکی، پانی کی شیرینی اور ٹھنڈک، لیکن دل کی گرمی بڑھتی جا رہی ہے۔ سنئے: کوئی کہہ رہا ہے ؎

باد صبا جو آج بہت مشکبار ہے
شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلف یار ہے

وہ ایک بار ادھر سے گئے مگر اب تک
ہوائے رحمت پروردگار آتی ہے

عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں
کہ بر فتراک صاحب دولتے بستم سر خود را

---

[1] یہ مضمون جس زمانہ کا لکھا ہوا ہے اس وقت تک جدہ کا بحری پلیٹ فارم نہیں بنا تھا اب بن گیا ہے اور جہاز پلیٹ فارم ہی پر اترتا ہے۔ ۱۲۔

[2] مدینہ کے راستہ میں ایک منزل کا نام ہے۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا

خاک یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

داغ غلامیت کرد رتبہ اخسرو بلند
میر ولایت شود بندہ کہ سلطاں خرید

محمد عربی کابروئے ہر دو سرا ست
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

پیچھے ذوالحلیفہ آگیا، رات کا بقیہ حصہ یہاں گذارنا ہے غسل کیا، خوشبو لگائی، کچھ دیر دم لے لیجئے اور کمر سیدھی کر لیجئے، صبح ہوئی نماز پڑھی، موٹر روانہ ہوئی، کیا جہاں سر کے بل آنا چاہئے تھا، وہاں موٹر پر سوار ہوکے جائیں گے ڈرائیور کے ساتھ بیٹھنا کام آیا۔ وادیٔ عقیق " میں " بیرعروہ " کے پاس اتار دے گا، سامان مستورات اور ضعفا سوار رہیں گے۔ بات کرتے کرتے بیرعروہ آگیا۔ بسم اللہ اتریئے وہ دیکھئے جبل احد نظر آرہا ہے ذلك جبل یحبنا ونحبه وہ سواد مدینہ کے درخت نظر آئے، کیا وہی درخت ہیں جن کے متعلق شہیدی مرحوم نے کہا تھا ؎

تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

وہ گنبد خضرا نظر آیا، دل کو سنبھالئے اور قدم تھامئے، یہ لیجئے مدینہ میں داخل ہوئے مسجد نبوی کی دیوار کے نیچے نیچے باب مجیدی سے گذرتے ہوئے باب جبرئیل پر جا کر کے حاضری کے شکرانہ میں کچھ صدقہ کیا اور اندر داخل ہوئے پہلے محراب نبوی میں جا کر دوگانہ ادا کیا، گنہگار آنکھوں کو جگر کے پانی سے غسل دیا پھر بارگاہ نبوی پر حاضر ہوئے۔

الصلوٰة والسلام عليك يا رسول الله الصلوٰة و السلام عليك يا نبي الله الصلوٰة والسلام عليك يا حبيب الله الصلوٰة والسلام عليك يا صاحب الخلق العظيم الصلوٰة والسلام عليك يا رافع لواء الحمد يوم القيمة الصلوٰة والسلام عليك يا صاحب المقام المحمود الصلوٰة والسلام عليك يا مخرج الناس باذن الله من الظلمت الى النور، الصلوٰة والسلام عليك يا مخرج الناس من عبادة العباد الى عبادة الله وحده الصلوٰة والسلام عليك يا مخرج الناس من جور الاديان الى عدل الاسلام ومن ضيق الدنيا الى سعة الدنيا والاخرة الصلوٰة والسلام عليك يا صاحب النعمة الجسيمة الصلوٰة والسلام عليك يا صاحب المنة العظيمة الصلوٰة والسلام عليك يا امن خلق الله على خلق الله اشهد ان لا اله الا الله وحده وانك عبده ورسوله قد بلغت الرسالة واديت الامانة ونصحت الامة و جاهدت في الله حق جهاده وعبدت الله حتى اتاك اليقين فجزاك الله عن هذه الامة خير ما جزى نبيا عن امته ورسولا عن خلقه، اللهم ات محمدن الوسيلة والفضيلة والبعثه مقاما محمودا الذى وعدته انك لا تخلف الميعاد اللهم صل على محمد و على آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد.

آپ پر صلوٰة وسلام اے اللہ کے رسول، آپ پر صلوٰة وسلام اے اللہ کے نبی آپ پر صلوٰة وسلام اے اللہ کے حبیب، آپ پر صلوٰة وسلام اے صاحب خلق عظیم، آپ پر صلوٰة و سلام اے قیامت کے دن لواء الحمد بلند کرنے والے آپ پر صلوٰة وسلام اے صاحب مقام محمود، آپ پر صلوٰة وسلام اے اللہ کے حکم سے لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال کر لانے والے آپ پر صلوٰة وسلام اے لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کرنے والے، آپ پر صلوٰة وسلام اے لوگوں کو مذاہب کی ناانصافی سے نکال کر اسلام کے عدل و انصاف میں داخل کرنے والے اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا اور آخرت کی وسعت میں پہونچانے والے آپ پر صلوٰة وسلام اے انسانیت کے سب سے بڑے محسن، اے انسانوں پر سب سے بڑھ کر شفیق، اے وہ جس کا اللہ کی مخلوق پر اللہ کے بعد سب سے بڑا احسان ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں، آپ نے اللہ کا پیغام پوری طرح پہنچادیا امانت کا حق ادا کر دیا، امت کی خیر خواہی میں کسر نہیں رکھی اللہ کے راستے میں پوری پوری کوشش کی اور وفات تک اللہ کی عبادت میں مشغول رہے اللہ آپ کو اس امت اور اپنی مخلوق کی طرف سے وہ بہترین جزا دے جو کسی نبی اور رسول کو اس کی امت اور اللہ کی مخلوق کی طرف سے ملی ہو اور اے اللہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرب و بلندی اور مقام محمود عطا فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا، اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر اپنی رحمتیں نازل فرما جیسی تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور آل ابراہیم پر نازل فرمائیں تو حمید و مجید ہے۔ اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد پر برکتیں نازل فرما جیسی تو نے ابراہیم و آل ابراہیم پر نازل فرمائیں۔ بیشک تو حمید و مجید ہے۔

اس کے بعد دونوں رفیقوں اور وزیروں کو محبت کا خراج اور عقیدت کا نذرانہ سلام و دعا کی شکل میں ادا کیا اور قیام گاہ پر آئے۔

اب آپ ہیں اور مسجد نبوی، دل کا کوئی ارمان باقی نہ رہ جائے، درود شریف پڑھنے کا اس سے بہتر زمانہ اور اس سے بہتر مقام کون سا ہو سکتا ہے۔ اب بھی شہود و حضور نہ ہو تو کب ہوگا، جنت کی کیاری "روضة من رياض الجنة" میں نماز پڑھئے، مگر دیکھئے کسی کو تکلیف نہ دیجئے مزاحمت، جگہ کو اپنے لئے محفوظ کرنا، مسجد میں دوڑنا سب جگہ برا ہے، مگر جہاں سے یہ احکام نکلے اور دنیا میں پھیلے وہاں کی خلاف ورزی بہت ہی مکروہ ہے۔ یہاں آواز بلند نہ ہو " ان تحبط اعمالكم وانتم لا تشعرون " یہاں دنیا کی باتیں نہ ہوں۔ مسجد کو گذرگاہ نہ بنایا جائے بے وضو داخل ہونے سے حتی الامکان احتراز کیا جائے خرید و فروخت سے اجتناب کیا جائے۔

دن میں جتنے مرتبہ جی چاہے حاضری دیجئے اور سلام عرض کیجئے۔ آپ کے نصیب کھل گئے۔ اب کیوں کمی کیجئے، مگر ہر بار عظمت و ادب اور اشتیاق و محبت کے ساتھ دل کی ایک حالت نہیں رہتی، وہ بھی سوتا اور جاگتا ہے، جاگے تو سمجھئے کہ نصیب جاگے۔ حاضری دیجئے اور عرض کیجئے ؎

زچشم آستیں بردار و گوہر را تماشا کن

کبھی اس کا جی چاہے گا کہ غلاموں کے وفود کے ساتھ ملا جلا حاضر ہو، عشاق کی آنکھوں سے جنھوں نے مہجوری کے دن کاٹے اور فراق کی راتیں بسر کیں۔ جب آنسوؤں کا مینہ برسے گا تو شاید کوئی چھینٹا اس کو بھی تر کر جائے، رحمت کی ہوا جب چلے گی تو شاید کوئی جھونکا اس کو بھی لگ جائے، کبھی دبے پاؤں لوگوں کی نظر بچا کر

تنہائی میں حاضر ہونے کا جی چاہے گا۔ اس باب میں دل کی فرمائشیں سب پوری کیجئے، کوئی حسرت باقی نہ رہے، کبھی صرف آنسوؤں سے زبان کا کام لیجئے، کبھی ذوق و شوق کی زبان سے عرض کیجئے، درود شریف طویل بھی ہیں اور مختصر بھی جس میں جی لگے اور ذوق پیدا ہو اس کو اختیار کیجئے، مگر اتنا خیال رکھئے کہ توحید کے حدود سے قدم باہر نہ جائے، آپ اس کے سامنے کھڑے ہیں جس کو ماشاء اللہ وشئت اور من لعيصهما سننا گوارا نہ ہوسکا، سجدہ کا کیا ذکر، خدا کی صفات میں اس کی قدرت و تصرف میں اس کی مشیت و اختیار میں شرکت کا شائبہ بھی نہ آنے پائے، چاہے جامی کا کلام پڑھئے چاہے حالی کی دعا سنائیے۔ بس اتنا خیال رکھئے کہ آپ توحید کے سب سے بڑے اور آخری پیغمبر کے سامنے کھڑے ہیں جس کو شرک کا واہمہ بھی گوارا نہ تھا۔

اب ہم مدینہ منورہ میں مقیم ہیں جہاں کی خاک روبی کو بادشاہ و سلاطین سعادت سمجھتے تھے، وہاں آپ ہر وقت حاضر ہیں، ایک ایک دن اور ایک ایک گھڑی کو غنیمت سمجھئے، پانچوں نمازیں مسجد نبوی میں جماعت کے ساتھ پڑھئے اگر کہیں باہر جائیے بھی تو ایسے وقت کہ کوئی جماعت فوت نہ ہو، تہجد میں حاضر ہوئیے یہ وقت سکون کا ہوتا ہے، لوگ روضۂ جنت کی طرف دوڑتے ہیں، وہاں تو بغیر دوڑے اور بغیر کشمکش جگہ پانی مشکل ہے، آپ پہلے مواجہہ میں آئیے اس وقت شاید آپ کو صرف پہرہ دار (عسکری) ہی ملے اطمینان سے سلام عرض کیجئے پھر جہاں جگہ ملے نوافل پڑھئے اور صبح کی نماز پڑھ کر اشراق سے فارغ ہو کر باہر آئیے۔

آئیے آج بقیع چلیں جو انبیاء علیہم السلام کے مقابر کے بعد صدق و اخلاص کا سب سے بڑا مدفن ہے ؎

" دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز "

اگر آپ کی سیرت نبویؐ، صحابہ کرامؓ کے احوال و مراتب پر نظر ہے تو آپ کو وہاں صحیح احساس ہوگا، آپ ہر قدم پر رکیں گے، اور ایک ایک خاک کے ڈھیر کو اپنے آنسوؤں سے سیراب کرنا چاہیں گے۔ یہاں چپہ چپہ پر ایمان و جہاد اور عشق و محبت کی تاریخ کندہ ہے، ایک ایک ڈھیر میں اسلام کا خزانہ دفن ہے، اب بقیع میں داخل ہوگئے۔ ہزدہ آپ کو سیدھا اہلبیت اطہار کے مقابر پر لے جائے گا۔ یہاں عم رسول سیدنا عباس بن عبد المطلب، سیدة نساء اہل الجنة فاطمہ بنت الرسول سیدنا حسن بن علی، سیدنا علی بن الحسین زین العابدین سیدنا محمد الباقر، سیدنا جعفر الصادق آرام فرما ہیں، وہاں سے چلئے تو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت خدیجہ و میمونہ کے علاوہ تمام ازواج مطہرات، پھر بنات طاہرات کے مقابر ملیں گے پھر عقیل بن ابی طالب جہاں ابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب وعبد اللہ بن جعفر وغیرہ مدفون ہیں، پھر آپ کو ایک ٹکڑا ملے گا جس میں امام دارالہجرۃ سیدنا مالک بن انس صاحب المذہب اور ان کے استاد نافع آرام فرما ہیں، جہاں سے بڑھئے تو ایک قبۂ انوار ملے گا، یہ ایک مہاجر کا پہلا مدفن ہے۔ یہاں وہ عثمان بن مظعون دفن ہیں جن کی پیشانی کو حضورؐ نے بوسہ دیا تھا، یہی فرزند رسول سیدنا ابراہیم بن محمدؐ کی خوابگاہ ہے۔ یہیں فقیہ صحابہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود، فاتح عراق سعد بن ابی وقاص، سیدنا سعد بن معاذ جن کی وفات پر عرش الٰہی جنبش میں آگیا تھا، سیدنا عبد الرحمن بن عوف اور دوسرے اکابر صحابہ مدفون ہیں، وہاں سے آگے چلئے تو شمال مغربی جانب دیوار سے متصل وہ ستر شہداء صحابہ و اہل مدینہ جن کو واقعۂ حرہ میں یزید کے دور حکومت میں ۶۳ھ میں شہید کیا گیا تھا، مدفون ہیں، اس کے علاوہ بقیع کے بالکل کونہ پر مشرقی شمالی جانب امام مظلوم شہید الدار سیدنا عثمان بن عفانؓ آرام فرما رہے ہیں، یہاں پر کچھ دیر ٹھہرئیے اور محبت و عظمت کے چار آنسو سیدنا ابوبکرؓ و سیدنا عمرؓ کے مرقد پر بہنے سے بچ رہے تھے، ان کو ان کے تیسرے ساتھی کی خاک پر بہائیے ؎

آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اس کے آگے سیدنا ابو سعید خدری، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ فاطمہ بنت الاسد کے مقابر ہیں۔ سب کو سلام عرض کیجئے اور فاتحہ پڑھئے،

پھر ایک لمحہ ٹھہر کر پورے بقیع پر عبرت و تفکر کی نظر ڈالئے، اللہ اکبر کتنے سچے تھے یہ اللہ کے بندے جو کچھ کہتے تھے کر دکھایا۔ رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه، مکہ میں جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا، مدینہ میں اسی کے قدموں میں پڑے ہیں ؎

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

(باقی)

بقیہ دربار رسالت میں

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

ہر شخص مبہوت بنا کھڑا ہے، نہ دل قابو میں ہے نہ زبان نہ آنکھیں ضبط ہو رہا ہے نہ دل ٹھہرتا ہے، کسی کو اگر شعر پڑھنا ہوتا دیکھنا ہو تو یہاں آکر دیکھے وہ کیا دیکھے گا خود اگر اپنا دل دے دے گا خود پروانہ وار نثار ہوگا ؎

کیف نگاہ ساقیٔ کوثر نہ پوچھئے
آیا جو سامنے وہی مخمور ہو گیا

ایک بار نہیں سو بار فدا ہوگا، اور کس کس ادا پر فدا ہوگا، یہ وہ خود نہیں بتا سکتا، ایک ادا ہو تو کہا جائے، یہاں تو سراپا حسن و جمال اور بے مثال محبوبیت پائی جاتی ہے ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

پھر ایسی ذات عالی پر جس کے اخلاق و شمائل پر دنیا انگشت بدنداں اور جس کے حسن و جمال پر کامل بھی شرم سے پانی پانی ہو کیسے نہ فدا ہو جائے اور کس کس ادا کو گنا جائے، وہ تو سراپا حسن و جمال ہے ؎

کس ادا پر جان دوں تو ہی بتا اے چشم یار
جس ادا کو دیکھتا ہوں حسن کی تصویر ہے

یہ رفعت و بلندی، یہ حسن و جمال، یہ جذب و کشش، یہ نور مجسم، یہ خیر سراپا تو ایسا ہے کہ ہزار بار اس پر فدا ہو جائے، صدقہ ہوں اور ہزار بار صدقہ ہوں، دل و جان صدقہ ہوں، جسم و روح صدقہ ہوں دیدہ و دل صدقہ ہوں ؎

احمد مرسل فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
مظہر اول مرسل خاتم صلی اللہ علیہ وسلم
جسم مزکی، روح مصفیٰ، قلب تجلی، نور مقطر
حسن سراپا خیر مجسم صلی اللہ علیہ وسلم
علم لدنی، شان کریمی، خلق خلیلی، شان حبیبی
زہد مسیحا عفت مریم صلی اللہ علیہ وسلم
صد و ام سلطان مدینہ دہ جسے کہ گفت یا کالیہ
گل کدۂ فردوس کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

ہندوپاک کا واحد عربی ماہنامہ

البعث الاسلامی جو ۸ سال سے برابر شائع ہو رہا ہے

التوجیہ الاسلامی، القضایا الفکریۃ لمواد الاسلام الفقہ الاسلامی والمشکلات الحدیثۃ، فی رحاب الحرمین، اعلام نفس فی خدمۃ الدعوۃ، العالم الاسلامی وغیرہ

البعث الاسلامی عالم عربی میں وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور وہاں کے دینی اخبارات و رسائل اکثر اس کے مضامین نقل کرتے ہیں۔

چندہ سالانہ ۶ روپے، فی پرچہ ۵۰ نئے پیسے، زیر ادارت محمد الحسنی، سید الاعظمی

محمد قطب (مصر)

انسانیت کی رہنمائی

صحیح اسلام سے ہو سکتی ہے!

ترجمہ محمد اسلم ندوی

آج عالم اسلام میں جس اسلام کا بول بالا ہے اور جو ہر قسم کے ظلم اور زیادتیوں کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے اور جو شرعی احکام اور صحیح اسلامی اصول و آداب کے ساتھ ساتھ یورپ کی تمام کمزوریوں کو بھی جائز بلکہ عزیز رکھتا ہے اس اسلام کی آج قطعاً ضرورت نہیں ہے آج تو اس اسلام کی ضرورت ہے، جس کی پیاس ہمارے دل بھرے محسوس کر رہے ہیں جس کی حکمرانی میں ظالم کے لئے کوئی جگہ نہیں اور جو ظلم کو سوسائٹی کا تخریبی عنصر سمجھتا ہے اور فاما الزبد فیذھب جفاء و اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض پر کاربند ہے اسلامی اصولوں پر قائم کی ہوئی حکومت (جس کو خدا کی نگرانی اور تائید حاصل ہوتی ہے) کسی زیادتی اور خود سری کے بجائے انصاف اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعلیم دیتی ہے، اس میں حکومت کے سربراہ کے اختیارات بھی محدود ہوتے ہیں۔ اگر اس کا کوئی حکم خلاف قانون ہو تو اس کی تعمیل ضروری نہیں ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صاف فرما دیا تھا: اطیعونی ما اطعت وان عصیت فلا طاعۃ لی علیکم: یعنی میرا حکم اس وقت تک مانو جب تک میں صحیح راستہ پر چلتا رہوں ورنہ دوسری صورت میں تم میرے پابند نہیں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکمران کو حکومت کے مال اور قانون میں کسی دوسرے افراد کے مقابلہ میں کسی قسم کا امتیاز حاصل نہیں اور کسی شخص کسی کو خلیفہ ماننے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

یہ اسلام آج ہم کو سامراجی پنجہ سے نجات دلا کر آزادی اور عزت کی زندگی بخش سکتا ہے جس کے بغیر ہم اور ہمارا دین اور اللہ کی نعمتیں سب کی سب غیر مکمل ہیں اور جس کے بعد ہم اس آیہ کریمہ کے مصداق بن سکتے ہیں الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا، یعنی آج ہم نے تمہارا دین اور تمہارے اوپر اپنی نعمتیں مکمل کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کا انتخاب کیا، اور پھر اس اقتدار کا اثر یہیں تک منحصر نہیں بلکہ یہ انقلاب عالمی صورت حال کے لئے بھی امن و سلامتی کا ضامن ہوگا اس لئے کہ آج دنیا سرمایہ دار اور کمیونسٹ دو بلاکوں میں تقسیم ہے اور پھر ہر گروہ اقتدار و اقتصادی مرکزوں پر قبضہ اور پٹرول کے چشموں کے لئے آپس میں دست و گریبان ہے یا یوں کہئے کہ یہ دونوں بلاک ایک تہائی سے زیادہ دنیا پر مشتمل عالم اسلام کے لئے (جو مادی اور انسانی اور فنی صلاحیتوں سے مالا مال ہے) آپس میں لڑ رہے ہیں اور اس معرکہ میں ہماری حیثیت اس بھیڑ کی سی ہے جو ہر طاقتور کے ساتھ چلنے پر مجبور ہو اور بازور سے گھر میں اور گھر سے بازار میں منتقل کی جاتی رہی۔ اگر عالم اسلام اپنی اہمیت اور مقام کو پہچان لے اور اسلام کے ان اصولوں پر چلے ......

....

تو دنیا دو بلاکوں کے بعد ایک تیسرے بلاک سے متعارف ہو سکتی ہے، اور سرمایہ دار اور کمیونسٹ دونوں اس کو لقمۂ تر سمجھنے کے بجائے اس کی خوشامد میں لگ سکتے ہیں ایک اسلامی طاقت کا قیام ہی اس وقت کی نازک صورت حال کا واحد حل ہے جو جنگ کے ان سرخ و سفید بادلوں کو روک دے اور لوگوں کے لئے اپنی طاقت اور قوت سے ایسی مضبوط پناہ گاہ تعمیر کرے جو سرمایہ داری اور کمیونزم دونوں سے الگ ہو اور دونوں کے نقصانات سے بچائے۔ آج یورپ ہوس پرستی میں مست ہے۔ علم و فنون برابر ترقی کر رہے ہیں لیکن انسانیت بدستور نفس پرستی اور ناپائدار لذتوں کے قفس زریں میں مقید ہے اور اس سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکی، انسانیت کی جنگ آزادی لڑنے کے لئے آج بھی اسلام تیرہ سو سال پہلے کی طرح قابل قدر اور مستقل مشعل راہ ہے جو انسانیت کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے، آج دنیا راکٹ، ہوائی، ایٹمی اور ریڈیائی ترقیوں سے مبہوت ہے اور ترقی کے گن گا رہی ہے لیکن اصل ترقی انسان کے نفس کی ترقی ہے جس کی بے نیازی اور بلندی انسان کی شرافت اور اعلیٰ کرداری کا ثبوت ہے، علوم و فنون چاہے جتنی ترقی کر جائیں لیکن انسان اور انسانیت کو اس کا اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا جب تک اسی تناسب سے ایثار اور قربانی کا جذبہ بھی دلوں میں پروان نہ چڑھے یہ محض کوئی مذہبی حکم اور اخلاقی سبق نہیں ہے بلکہ تاریخ کی وہ ناقابل انکار حقیقت ہے جو قوموں کے عروج و زوال کا راز اور اس کی بنیاد ہے اور چنگ و رباب کی جھنکار ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دیتی ہے، یونان کی عظمت روم و ایران کی وسیع و عریض شاندار سطوت یادگار اور افسانہ بن جاتی ہیں، عباسیوں کی تباہی اس حقیقت کا اعلان اور اسی کا ظہور ہے۔

دوسری جنگ عظیم میں فرانس کی عیش پرستی نے فرانس کی قوت مدافعت کو جھکنے پر مجبور کر دیا اس لئے کہ وہاں کے لوگوں کو جنگ و جدال اور آزادی کی حفاظت سے زیادہ اپنی رقص گاہوں اور ہوٹلوں کی فکر تھی۔

آج امریکہ بھی اسی راستے پر گامزن ہے، دنیا میں سب سے زیادہ پیداوار اور ناقابل انکار فوجی طاقت کا مالک ملک پھر انھیں چیزوں کا دلدادہ ہے جو تاریخ میں تباہی و بربادی کا سبب بنی ہیں اور امریکی قومیت کی جوانی اور نشو و نما ان کے ساتھ ساتھ زیادہ عرصہ تک ان عناصر کی تباہ کاری سے نہیں بچ سکتی۔ یہ اثرات بڑھتے رہیں گے اور ایک دن کسی بڑے انقلاب یا بربادی کی صورت میں پھر وہی افسانہ دہرایا جائے گا اور تاریخ ایک نئے باب کا افتتاح کرتے ہوئے اعلان کرے گی۔ قانون قدرت اٹل ہے جو ہمیشہ قوموں کی تقدیر بناتا اور بگاڑتا رہتا ہے۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (اللہ کا قانون کبھی نہیں بدلتا)

آج ہم ثبوت میں امریکی اخبارات کے صفحات پیش کر سکتے ہیں۔ چاہے وہ پہلے اور دوسرے صفحات نہ ہوں، نیگر ملازموں کو صرف اس لئے نکالا جا رہا ہے کہ وہ نیگرو ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں۔ ایک دوسری خبر میں اعلان تھا کہ ۱۲۰۰ امریکی فوجی امریکہ سے بھاگ آئے ہیں، ایک نوجوان اور ابھرتی ہوئی قوم کے لئے خاص کر امریکی فوجوں کے تناسب کے لحاظ سے یہ بہت بڑی بات ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ کمزوریاں اور مضر عناصر اور خلاف فطرت اصول کے خلاف وہاں احساس پیدا ہو چلا ہے اور کچھ لوگ مقابلہ کے لئے بھی تیار ہو رہے ہیں (بقیہ ص ۱۵ پر)

دربار رسالت

محمد ثانی حسنی

ایں جا بیا کہ مہبط انوار ایزدی است

ایں جا بیا کہ مشرق نور محمدی است

باب جبرئیل سے عاشقان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دلوں کو تھامے، سروں کو جھکائے گرتے پڑتے کیف و سرور کے ساتھ دربار رسالت میں حاضری دے رہے ہیں سب کی زبانوں پر درود و سلام اور دلوں پر ہیبت طاری ہے، ہر ایک دم بخود ہے مجال نہیں کہ نظر اٹھے اور ادھر ادھر بھٹکتی پھرے۔

اے جاں بلب آمدہ ہشیار خبردار

وہ سامنے ہیں حضرت سلطان مدینہ

دائیں طرف جنگلے سے گھرا ایک ہو کور بلند چبوترہ بنا ہے اس پر خدام حرم نبوی (اغوات) لانبے لانبے کرتے پہنے بڑی بڑی تسبیحیں لئے بیٹھے ہیں، قریب ہی ایک خوش الحان مصری قاری مست کر دینے والی آواز سے قرآن کی تلاوت کر رہا ہے جو ادھر سے گذرتا ہے وہ اپنے کو مجبور پاتا ہے کہ ذرا دیر ٹھہر کر ادب و توقیر سے قرآن کی چند آیات سنے تو آگے بڑھے۔

ہر طرف سکوت طاری ہے، اگر آواز ہے تو ذکر و تلاوت کی آواز ہے یا درود و سلام کی بھنبھناہٹ، جو بھی آتا ہے وہ روضۂ جنت میں چلا جاتا ہے۔ جس کے متعلق حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ما بین منبری وبیتی روضۃ من ریاض الجنۃ" (میرے منبر اور میرے گھر کے درمیانی حصہ میں جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے پھر کون ہے جو اس پیارے باغیچہ کی سیر نہ کرے اور عبادت خداوندی میں تھوڑا بہت وقت گذار کر جنت میں اپنے دائمی قیام کی ضمانت نہ حاصل کرے، چھوٹا بڑا مرد و عورت، امیر و غریب، توانا اور مجبور ہر ایک کو دیکھئے محرابوں میں ستونوں کے درمیان، دائیں بائیں آگے پیچھے عبادت و ریاضت، ذکر و تلاوت میں مشغول ہے اور اس جذب و کیف کے ساتھ مشغول ہے کہ جیسے وہ دو عالم کی قید سے آزاد ہو کر کسی اور عالم کی سیر کر رہا ہو،

آزاد ہو رہا ہوں دو عالم کی قید سے

مینا لگا ہے جب سے مجھ بے نوا کے ہاتھ

محراب نبوی کا تو یہ حال ہے کہ اس تک پہونچنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے، ایک لانبی لائن اس میں درجنوں آدمی آگے پیچھے لگے، سکون و وقار سے کھڑے آگے والے آدمی کے فارغ ہونے کے انتظار میں، وہ فارغ ہوا تو دوسرا آگے بڑھا اس نے دو رکعت پڑھ کر فراغت حاصل کی تو تیسرا چلا، صبح سے شام تک یہی سلسلہ چلتا رہتا ہے، کتنی مبارک، کتنی مقدس اور کتنی پیاری جگہ ہے، یہ جہاں ساری عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں ادا کرتے رہے جہاں آپ کے قدم مبارک رہتے تھے، وہ جگہ آج ہماری آپ کی سجدہ گاہ ہے۔

ادب و لحاظ اتنا کہ حجرۂ نبوی کی طرف نظر بھر کر دیکھنا مشکل مگر صبر و قرار کی اتنی کمی کہ نظر چرا چرا کر دیکھنے پر ہر ایک مجبور، ہر ایک محبت و عشق میں چور، اور انتہائی جذب و کیف سے مخمور آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا آگے چل رہا ہے کوئی بے اختیار رونے لگتا ہے، کوئی اترے ہوئے چہرے پتھرائی ہوئی آنکھ سے لرزتا، سمٹتا چلا جا رہا ہے مگر دل ہے کہ جذبات سے امڈا آ رہا ہے، آنکھیں تو خشک ہیں مگر جذبات کی طغیانی دل کو کہیں سے کہیں بہائے لئے جا رہی ہے،

محبت میں اک ایسا وقت بھی دل پر گذرتا ہے

کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں طغیانی نہیں جاتی

آنکھوں کو بھی ناز ہے اور دل کو بھی فخر، جسم کو بھی اپنے اوپر رشک آ رہا ہے کہ باوجود کم نگاہی و بے بضاعتی ایسے دربار عالی میں پہونچا ہوا جس کا خیال و تصور بھی دنیا کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہے،

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل

نسیم صبح تیری مہربانی

رشک آئے تو کیوں نہ آئے، ناز ہو تو کیوں نہ ہو، فخر محسوس ہو تو کیوں نہ ہو کہ جیتے جی ان آنکھوں اور دل کو یہ دولت نصیب ہو رہی ہے

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است

افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

مواجہ شریف

یار کا پاس ادب اور دل ناشاد رہے

نالہ گھٹتا ہوا رکتی ہوئی فریاد رہے

مجھے ایسے دربار میں رسائی ہو رہی تھی، جہاں بڑے سے بڑے بزرگ اور شان و شوکت والے بادشاہ بھی آتے تھے تو لرزتے کانپتے آتے تھے، وہ سلاطین عثمانیہ جن کا سکہ یورپ بلکہ سارے جہاں پر بیٹھا ہوا تھا وہ بھی اس در کی حاضری پر لرزہ براندام ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے، وہ دربار جہاں عشق و محبت بھی اپنا کام تمام کر چکے ہیں۔ جہاں نظریں ٹھہر نہیں سکتی ہیں، جہاں دل اپنے قابو میں نہیں رہ پاتا وہ آج ہماری نگاہوں کے سامنے ہے مبارک ہو اور صد مبارک ہو،

لے ہی پہونچی بے خودی شوق بزم یار تک

گو مجھے اک اک قدم اک ایک منزل ہو گیا

یہ مواجہ شریف ہے ہم آپ سے کتنا قریب، دل بے تاب ہے اور آنکھیں اشکبار، جسم لرزہ براندام، دل جذبات سے بھرپور، جماعتوں کی جماعتیں، افراد کے افراد ایک ملک کے نہیں سیکڑوں ملکوں کے دھڑکتے ہوئے دلوں سے حاضر ہیں اور درود و سلام کے تحفے پیش کر رہے ہیں، پروانوں کی طرح نثار ہو رہے ہیں۔

اٹھنے کو ہے ان کی نظر ہونے کو ہے وہ آنکھ تر

ہاں تیز کر دے بے خبر ساز نہان عاشقی

یہ ذات گرامی جس کی خدمت عالی میں یہ گنہگار خدام حاضر ہیں اور دنیا کے دور دراز مقامات سے گرتے پڑتے انتہائی ذوق و شوق سے سرشار آئے ہیں وہ ایک نہیں دو نہیں سیکڑوں کی کیا بات دنیا کی ساری آبادی از شرق تا غرب آج ہی نہیں قیامت کے دن تک آنے والی نسلوں تک کی محسن اعظم اور اندھیری رات کا بدر کامل ہے۔

ذرہ ذرہ عالم ہستی کا روشن ہو گیا

اللہ اللہ شوکت و شان جمال مصطفےٰ

آپ کی عزت عالی پر ساری عزتیں قربان، آپ کے صرف ایک اشارہ ہی پر ساری زندگیاں نثار، آپ کا نام نامی ہی ایسا ہے،

(باقی ص ۵ پر)

مولانا مسعود علی ندوی

دار المصنفین ـــ اعظم گڑھ

ـــــــــ یونس نگرامی ندوی

مولانا مسعود علی ندوی مولانا شبلی نعمانیؒ کے شاگرد و عقیدت کیش اور مولانا سید سلیمان ندوی کے رفیق کار اور ساتھی ہیں، ایسی باغ و بہار، حاضر جواب، بذلہ سنج اور منتظم و با تدبیر شخصیت ان کے معاصرین میں شاید ہی کوئی دوسری ہو۔ یہ انٹرویو مولانا شبلی سے ان کی عقیدت و محبت اور ان کے جذبات و احساسات کا آئینہ دار ہے! ـــــــــ (ادارہ)

عمر شاید یہی پندرہ سولہ سال کی رہی ہوگی اور طالب علم بھی ندوہ کے تیسرے یا چوتھے درجے کا تھا کہ معلوم ہوا، مولانا مسعود علی صاحب ندوی تشریف لائے ہیں۔ بس سارا کام اور کام بھی کیا کھیل کود کے سارے مشغلوں کو چھوڑ سیدھا مہمان خانہ پہونچا، وسط کمرہ میں ایک بہت برگزیدہ شخصیت بیٹھی ہوئی نظر آئی، ملنے کی ہمت نہ ہوئی واپس چلا آیا، دوسرے دن پھر والد صاحب* کے ساتھ دوبارہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور مختصر تعارف کے بعد تھوڑی دیر تک بیٹھا رہا۔ اس عرصہ میں مولانا نے جو گفتگو فرمائی اس سے کل کا خوف جاتا رہا اور ایک طرح کا انس محسوس ہونے لگا۔ جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ تھی خوردوں کے خود کے ساتھ بے پناہ محبت و اپنائیت کا اظہار۔ یہ تو تھی پہلی ملاقات، اس کے بعد بھی اکثر مولانا ندوے تشریف لاتے رہے اور ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

جو حضرات مولانا سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ مولانا کی مجلسوں میں کیا لطف آتا ہے اور پوری محفل کیسی زعفران زار بنی رہتی ہے، ادھر چند سالوں سے مولانا کی طبیعت اکثر و بیشتر ناساز رہتی ہے۔ دو تین ہفتہ قبل اخبار میں آچکا تھا کہ فالج کا حملہ بھی ہو گیا ہے۔

دار المصنفین کی جوبلی کے موقعے پر اعظم گڑھ پہونچا تو سب سے بڑی تمنا یہی تھی کہ شبلی و سلیمان کے کارواں کے اس مسافر کی بھی زیارت ہو جائے گی، دار المصنفین پہونچتے ہی مولانا علی میاں صاحب مدظلہ، اور والد صاحب وغیرہ کے ہمراہ فوراً ہی مولانا کے کمرے میں حاضر ہوا، مولانا ان حضرات کو دیکھتے ہی اور یہ حضرات مولانا کو دیکھتے ہی اشکبار ہو گئے، شاید بھولی بسری یادوں نے دل کے اضطراب کو چھیڑ دیا تھا، آہ مولانا کی شام زندگی کی شفق تیزی سے پھیلتی دیکھ کر اور حسرت بھرے اشعار پڑھتے ہوئے سن کر تمام حاضرین شدت جذبات سے بے قابو ہو رہے تھے۔ اس وقت عجیب کیفیت ہوئی، جب مولانا نے حسب ذیل شعر بڑے اثر کے ساتھ پڑھا ؎

حسرت پہ اس مسافر بے کس کی رو دیجے
جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

شاید اس وقت مولانا نے بھی ان حضرات کے چہرہ پر کتنی ہی کہانیاں ثبت دیکھی ہوں گی۔ جن کے سہارے ماضی کے دیس میں پہونچ چکے ہوں گے۔ جہاں جوانی کی اولوالعزمیاں رہی ہوں گی۔ دار المصنفین قائم ہو رہا ہوگا ندوہ کے سلسلے میں مدراس کا سفر ہو رہا ہوگا۔ سید سلیمان ندوی کا ساتھ رہا ہوگا۔ ندوہ کی مسجد تعمیر ہو رہی ہوگی اور نہ جانے کیا کیا نظر آیا ہوگا۔ مولانا کے قدیم دوست اور عقیدت کیش یوسف صاحب اور والد صاحب کو زیادہ روتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ ابھی اتنا رو رہے ہو تو جب میں مر جاؤں گا تو کتنا روؤ گے۔ آہ کتنی حسرت ہے اس ایک جملہ میں ـــ میں یہ سب دیکھ رہا تھا اور یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ وہی شخصیت ہے جو آج سے چند سال پہلے جب ندوہ میں رواق رحمانی تعمیر ہو رہی تھی تو شبلی ہوسٹل کے سامنے جلوہ افروز تھی اور اساتذہ و طلبا کا ایک ہجوم مولانا کے ارد گرد اکٹھا تھا، اور ہر منٹ پر قہقہوں کا طوفان امنڈ رہا تھا، اور آج آنسوؤں میں کر

تحفے کا نام نہیں لیتے ہیں:

تھوڑی ہی دیر بعد ہم لوگ وہاں سے چلے آئے اسی دن شام کو دوبارہ والد صاحب کے ساتھ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا، تو مولانا نے فرمایا کہ اپنی زندگی میں ہر کام میں کامیابی حاصل کی اور خدا کا شکر ہے کہ آج جوبلی کو بھی کامیابی کے ساتھ دیکھ رہا ہوں، اب میرے دل میں کسی طرح کی کوئی تمنا اور حسرت باقی نہیں ہے۔ پوری طرح کا اطمینان ہے۔ اس وقت یہ گفتگو سن کر بغیر کسی تمہید کے میں نے سوال کر دیا۔

س : مولانا شبلی نعمانی کے متعلق آپ کے کیا نظریات ہیں۔

مولانا شبلی نعمانی کا نام سننا تھا کہ مولانا پر ایک وارفتگی کی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور بہتے ہوئے آنسو دل کی کیفیت کی پوری ترجمانی کر رہے تھے، اسی حالت میں مولانا نے جواب دیا ـــ مولانا شبلی کے متعلق میرے کیا نظریات ہیں وہ میرے لئے سب کچھ تھے، اور یہی میرے نظریات ہیں، یہ کہہ کر مولانا پر ایک گہری خاموشی طاری ہو گئی، اور پوری فضا میں ایک اداسی پھیل گئی، یہ صورت حال دیکھ کر آنسو پونچھتے ہوئے چپکے سے میں باہر نکل آیا اور دل ہی دل میں شرمندہ تھا کہ کیوں میں نے زخم دل کے ٹانکے کھول دیئے۔

تیسرے دن میں نے دیکھا کہ رکشہ پر سوار مولانا دار المصنفین کے احاطہ میں جوبلی کے انتظامات دیکھ رہے ہیں۔ میں بھی رکشہ کے پیچھے چل دیا۔ ایک جگہ تھوڑی دیر کے لئے رکشہ رکا تو میں نے مولانا سے پھر ایک سوال کر ڈالا:

س : ندوہ کے قیام کے زمانہ میں ندوہ کا عمومی تخیل کیا تھا۔

مولانا نے فرمایا، کوئی تخیل نہیں تھا، کچھ نہیں تھا جو کچھ تخیل آیا اور جو نظریات قائم ہوئے سب مولانا شبلی نعمانی کے آنے کے بعد ہوا، اس سے پہلے تو وہ ایک مدرسہ تھا،

مولانا خاموش ہوئے تو فوراً ہی میں یہ پوچھ بیٹھا

س : دار المصنفین کے ابتدائی دور کے کیا حالات تھے؟

مولانا نے فرمایا کہ مجھ کو مولانا شبلی کی علالت کا تار ملا فوراً اعظم گڑھ پہونچا، وہیں سے میں نے سید سلیمان ندوی کو تار دے کر بلایا، کچھ دنوں کے بعد مولانا کا انتقال ہو گیا۔ مولانا کے رشتہ دار اس بات پر مصر تھے کہ مولانا کے تمام مسودات وغیرہ وہ لے جائیں گے۔ میں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا ہے

(بقیہ ص ۱۴ پر)

ـــــــــ

* مولانا محمد اویس نگرامی ندوی

جذبِ اَنا

ـــــــــ قاضی محمد شکیل عباسی ندوی

زمیں کے مرحلۂ روزگار سے آگے
ہوس کے قافلۂ بے مہار سے آگے

جہان گردش لیل و نہار سے آگے
فلک کے دائرۂ اختیار سے آگے

مئے طلب سے پرے چشم یار سے آگے
سرور نشہ و رنج خمار سے آگے

نسیم و غنچہ و ابر و بہار سے آگے
فریب منظر بے اعتبار سے آگے

افق کے فاصلۂ بے کنار سے آگے
حریم حسن عدم کے حصار سے آگے

ستارۂ سحری کے شرار سے آگے
عروس شب کے چراغ مزار سے آگے

قمر کے آئینۂ آبدار سے آگے
ہلال مقبرۂ کاروبار سے آگے

شعاع مہر و نمود مناظر فطرت
فضائے کن فیکوں کے وقار سے آگے

بساط سبزہ فصیل شفق منارۂ کوہ
ازل کے زاویۂ استوار سے آگے

نگین بدر و طراز ستارہ و پرویں
ابد کے حاشیۂ زرنگار سے آگے

مری مراد نہیں بزم کوثر و تسنیم
بہشت و خلد کے روشن دیار سے آگے

جمال جذبِ اَنا ہے مری نظر میں شکیلؔ
خیال سود و زیاں نور و نار سے آگے

جہاں خوشی سے بھی لگتی ہے زندگی کو خراش
نہ نوک خار کا خطرہ نہ رنگ گل کی تلاش

ـــــــــ

عرضِ حال

ـــــــــ نثار احمد فاروقی عارف خیرآبادی

صبا مدینے میں جا کر سلام کہہ دینا
سلام کہہ کے یہ میرا پیام کہہ دینا

زہے نصیب وہ مجھ کو صبا اگر پوچھیں
نثار احمد مرسل ہے نام کہہ دینا

لبوں پہ ذکر تمہارا ہے اشک ہیں جاری
مرا یہ حال بصد اہتمام کہہ دینا

قسم خدا کی فقط آپ ہی سہارا ہیں
نہیں ہے اس میں ذرا بھی کلام کہہ دینا

شکستہ کشتی امت ہے دور ساحل سے
مدد کا وقت ہے خیر الانام کہہ دینا

کئے ہیں جبر جو اعدائے دین نے ہم پر
وہ داستان تشدد تمام کہہ دینا

اب آپ ہی جو بتائیں تو بات بنتی ہے
ہوا ہے درہم و برہم نظام کہہ دینا

گذر رہے ہیں عجب طرح زندگی کے دن
بدل گئی ہے مری صبح و شام کہہ دینا

شبانہ روز مدینے کی حاضری کے لئے
تڑپ رہا ہے تمہارا غلام کہہ دینا

خدا کا صحیح تصور
اور
صفات باری

حبیب الرحمٰن ندوی

مذہب کا وجود ہمیشہ سے ہے، دنیا کی تاریخ میں کوئی دور ایسا نہیں گذرا جس میں انسان خدا کی پرستش نہ کرتا رہا ہو، انسانی زندگی کا مطالعہ کیجئے تو ایسا محسوس ہوگا کہ معبود کے بغیر اس کا وجود ہی محال ہے، انسان اگر خدا کی پرستش نہ کرے تو بھی غیر اللہ کی پرستش سے اس کو چھٹکارہ نہیں، رہا یہ سوال کہ معبود کون ہے؟ کیسا ہے؟ اس کی کیا صفات ہیں اور انسانوں سے اس کا کیا مطالبہ ہے تو یہ باتیں ہر زمانے میں مختلف فیہ رہیں، مذاہب عالم میں آج بھی ان باتوں میں اختلاف ہے، قرآن کریم کی ایک آیت ہے۔

لا تاخذہ سنۃ و لا نوم لہ مافی السموات ومافی الارض (سورۂ بقر)

خدا کو نہ تو اونگھ ہے نہ نیند زمین و آسمان کی ساری چیزیں اسی کی ہیں اور ان پر اسی کی حکمرانی ہے۔

قرآن میں اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں خدا کی حمد اور اس کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً ایک جگہ کہا گیا ہے:

ھواللہ الذی لا الٰہ الا ھوالملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحٰن اللہ عما یشرکون ھواللہ الخالق البارئ المصور لہ الاسماء الحسنیٰ یسبح لہ مافی السمٰوٰت و الارض وھوالعزیز الحکیم (سورۂ حشر)

وہ اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ الملک ہے القدوس ہے۔ السلام ہے المومن ہے المھیمن ہے العزیز ہے۔ الجبار ہے۔ المتکبر ہے اور اس ساجھے سے پاک ہے جو لوگ نے اس کی معبودیت میں بنا رکھے ہیں۔ وہ الخالق ہے۔ الباری ہے المصور ہے۔ اسکے لئے حسن وخوبی کی صفتیں ہیں۔ آسمان و زمین میں جتنی بھی مخلوقات ہیں سب اس کی پاکی اور عظمت کی شہادت دے رہی ہیں۔ بلاشبہ وہی ہے جو حکمت کے ساتھ غلبہ و توانائی رکھنے والا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا جس میں آپ نے خدا کی چند مخصوص صفتیں بیان کیں۔ اصل الفاظ ملاحظہ ہوں:

قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخمس کلمات فقال ان اللہ لا ینام ولا ینبغی لہ ان ینام یخفض القسط و یرفعہ یرفع الیہ عمل اللیل قبل عمل النھار۔ وعمل النھار قبل عمل اللیل حجابہ النور وفی روایۃ ابی بکر النار۔ لو کشفہ لاحرقت سبحات وجہہ ما انتھی الیہ بصرہ من خلقہ (مسلم)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان پانچ باتوں کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا اللہ نیند سے پاک ہے نیند اس کی ذات کے منافی ہے وہ قسطوں کا مالک ہے میزان کو جھکاتا بھی ہے اور اونچا بھی اٹھاتا ہے۔ رات کے اعمال اس کے پاس دن سے پہلے پہونچ جاتے ہیں اور دن کے اعمال رات سے پہلے۔ اس کا حجاب نور ہے بعض روایتوں میں ہے نار ہے مگر وہ حجاب ہٹ جائے تو اسکے چہرے کی تابانی تمام مخلوقات کو جلا کر خاکستر بنا دے۔

نیند، غنودگی اور تھکاوٹ ایسی صفات ہیں جو ہر زندہ اور بیدار ہستی کے وجود کا ایک لازمی حصہ ہیں مگر خدا کی ذات زندہ بھی ہے اور نیند، تھکاوٹ جیسے عیوب سے پاک بھی ہے۔

دنیا میں اور بھی مذاہب ہیں ان میں خدا کی ذات کا تصور بھی ہے اور اس کی صفات بھی بیان کی گئی ہیں مگر کیا اسلام کے سوا روئے زمین پر کوئی ایسا مذہب ہے جس میں خدا کی صفات اس انداز میں بیان کی گئی ہوں جو حقیقتاً اس ذات پاک کے شایان شان بھی ہوں؟ چند مشہور مذاہب کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

یہودی مذہب میں خدا کا تصور

یہودی اہل کتاب ہیں لیکن ان کے یہاں خدا کا جو تصور ہے اس میں تمام انسانی صفات کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ کہا گیا۔ "تو کسی چیز کی صورت نہ بنا یو اور نہ اس کے آگے جھکیو کیونکہ میں خداوند تیرا "رشک" کرنے والا ایک بہت ہی "غیور" خدا ہوں (خروج ۲۰) ایک خدا کی عظمت کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے، "کس نے پانیوں کو اپنے ہاتھ کے چلو سے ناپا اور آسمان کو بالشت سے پیمائش کیا، زمین کی گرد کو پیمانے میں بھرا، پہاڑوں کو پلڑوں میں ڈال کے وزن کیا اور ٹیلوں کو ترازو میں تولا کس نے خدا کی روح کا اندازہ کیا ہے (یسعیاہ۔ آیت ۱۲)

عیسائی مذہب میں خدا کا تصور

حضرت عیسیٰ علیہ السلام رحم و محبت کے پیامبر تھے اس لئے ان کے متبعین نے اسی رحم و محبت کو خدا بنایا۔ چنانچہ یوحنا میں لکھا ہے، "خدا محبت ہے" کہیں کہا گیا ہے خدا نے سارے اختیارات حضرت عیسیٰ کو سونپ دیئے، کہیں کہا گیا ہے حضرت عیسیٰ آسمان پر خدا کے داہنی طرف بیٹھے ہوئے ہیں، ان کی مقدس کتابوں میں خدا کو رحم دل بھی کہا گیا ہے اور ظالم بھی۔ ملاحظہ ہوں کرنتھیوں اور استثنا وغیرہ عیسائیوں کی بعض مذہبی کتابوں میں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور خدا ایک ہیں۔

مجوسی مذہب کا تصور

مجوسی مذہب کے زردشت بھی وحدانیت کے قائل ہیں۔ ان کے ہاں دو خدا ہیں ایک نور اور نیکی کا خدا "یزداں" دوسرا ظلمت اور بدی کا خدا "اہرمن" مجوسی مذہب میں یہ دونوں خدا ایک دوسرے کی ضد ہی نہیں ایک دوسرے سے نبرد آزما بھی ہیں انسانوں کو حکم ہے کہ وہ یزداں کی پیروی کریں اور اہرمن کی نافرمانی۔

ہندو مذہب میں خدا کا تصور

ہندوستان ہمیشہ سے ان گنت خداؤں کا مرکز رہا ہے، ہندوؤں کی ایک مذہبی کتاب "یجروید" میں لکھا ہے ــ خدا آگنی ہے ادیتہ ہے، وایو ہے، چندرما ہے، روشنی ہے، آپہ ہے، پرجاپتی ہے ــ "سام وید" میں لکھا ہے۔ اے خدا تو ہمارا باپ ہے۔ ہمارا بھائی ہے۔ ہمارا دوست ہے "اتھروید میں لکھا ہے ــ تو مرد ہے۔ تو عورت ہے تو کنواری لڑکی ہے تو بوڑھا آدمی ہے۔ جو لاٹھی لئے کھڑا ہو تو ہر طرف موجود ہے۔

چینی مذہب میں خدا کا تصور

کہا جاتا ہے کہ دنیا کے سب مذاہب میں سب سے زیادہ قدیم چینی مذہب ہے لیکن یہاں جو خدا کا تصور ہے وہ سب سے زیادہ مضحکہ خیز ہے۔ مثلاً قدیم چین کی ایک مذہبی کتاب میں خدا کو اس طرح مخاطب کیا گیا ہے "کیا بات ہے کہ تیرے

کاموں میں یکسانی و ہمرنگی نہیں۔ تو زندگی بھی دیتا ہے اور ہلاکت کی بجلیاں بھی تیرے پاس ہیں" ایک دوسری جگہ کہا گیا ہے "آسمان (خدا) خوش بھی ہوتا ہے اور ناراض بھی اس کے پاس رنج و راحت کا احساس کرنے والا دل ہے وہ بالکل انسانوں کے مثل ہے۔ آسمان (خدا) اور انسان دونوں برابر ہیں۔

ڈاکٹر ولیم۔ ایف وارین کی تحقیقات کے مطابق چینیوں کے دو خدا تھے۔ ایک شخصی جسے "شانگٹی" کہا جاتا تھا، دوسرا غیر شخصی جسے "تاؤ" کہا جاتا تھا۔ شانگٹی کے بارے میں چینیوں کا اعتقاد تھا کہ "کوئن لوئن" دنیا کا ہے اور اس میں بھی اس کا ایک خاص مقام ہے۔ چینیوں کا اعتقاد تھا کہ وہ آسمان میں رہتا ہے سب سے اونچا پہاڑ ہے اس کی وادیوں میں جانب شمال مغرب شانگٹی کا ارضی محل ہے جس میں نو دیواریں ہیں اور سامنے قیمتی پتھروں کا ایک احاطہ ہے جس کے اطراف میں دروازے ہیں جن سے روشنی نکلتی ہے۔ جانور اس کی حفاظت کرتے ہیں، شانگٹی (خدا کی) بیوی یہیں رہتی ہے اور اس کے ٹھیک اوپر شانگٹی کا آسمانی محل ہے جو آسمان کے وسط یعنی قطب ستارے میں واقع ہے۔ غیر شخصی خدا "تاؤ" کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ انسان "تاؤ" میں پیدا ہوتا ہے اور تاؤ میں رہتا ہے۔ ویسے ہی جیسے مچھلی پانی میں پیدا ہوتی ہے اور پانی میں رہتی ہے۔ تاؤ نہ عرض ہے نہ جوہر لیکن وہ ہر شئے کی روح ہے وہ انسان کو زمین و زماں کی قید سے آزاد ہو کر عالم غیر محدود میں گم ہو جانے کی دعوت دیتا ہے۔

یہی نہیں ظہور اسلام کے وقت اور بھی طرح طرح کی بدعقیدگیوں، وہم پرستیوں اور بداعمالیوں کا دور دورہ تھا کہیں درختوں کی پرستش کی جاتی کہ وہ خدا ہیں کہیں دریاؤں، پہاڑوں اور پتھروں سے مرادیں مانگی جاتیں کہ وہ حاجت روا ہیں کہیں آگ کی پوجا ہوتی کہ وہ دیبی ہے کہیں چاند ستاروں کی پرستش ہوتی کہ وہ نظم عالم کے مالک مختار ہیں حد یہ ہے کہ جانور اور کیڑے مکوڑے بھی معبود مانے گئے۔ ابھی ابھی اخبارات میں بیروت کی ایک ۴۵ سالہ عورت کے قتل کی کہانی شائع ہوئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ بیروت میں عراق کے ایک قدیم مذہب "زیدیہ" فرقہ کے لوگ شیطان کو "ملک طاؤس" کے نام سے پوجتے ہیں مذکورہ مقتول عورت کا جرم صرف اتنا تھا کہ اس نے جھنجھلاہٹ میں کسی بات پر شیطان کو ملعون کہدیا تھا جسے سنکر زیدیہ فرقہ کے ایک شخص نے فوراً اس کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔

آج جسے نظریہ ارتقا کہا جاتا ہے، جس کے ماننے والے کہتے ہیں کہ حیاتیاتی عمل اور نظم عالم کی نگرانی کے لئے کسی خدا کی ضرورت نہیں۔ دراصل یہ کوئی جدید نظریہ نہیں ایام جاہلیت کا ایک عقیدہ ہے کہ ہاں اس خیال کی اشاعت کرنے والوں کو آج دو گروہوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایک گروہ تو سرے سے خدا کا قائل ہی نہیں۔ دوسرا خدا کو مانتا تو ہے لیکن ایک ظالم اور سرکش ذات کی حیثیت سے اس کا عقیدہ ہے کہ خدا اندھے کی لاٹھی ہے جس کا کام ہی توڑ پھوڑ کرنا اور شر و فساد برپا کرنا ہے وہ نہ تو کسی کی فریاد سنتا ہے نہ کسی کی پکار بے جان صورت کی طرح تخت خدائی پر جلوہ گر رہتا ہے اور جب اس کی قدرت جوش میں آتی ہے تو وہ اندھا دھند تباہی مچاتا ہے۔

مختصر یہ کہ دنیا کے تمام مذاہب اور عقیدے میں اس کے اپنے دور اور ماحول کے فکر و خیال کا اثر ہے صفحۂ ہستی پر بسنے والی قوموں نے اپنے اپنے مخصوص خطوں میں جس طرح اپنا ایک مخصوص دستور زندگی اور طرز معاشرت اپنایا بالکل اسی طرح ان کا اپنا ایک مخصوص تصور خدا بھی تھا اس لئے قدر مشترک کے طور پر تمام مذاہب میں خدا کا تصور اسی دائرہ میں ہے جہاں تک کہ ایک انسان کی عقل پرواز کر سکتی ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ ہر مذہب میں خدا کی صفات کو انسانی صفات سے بلند و بالا قرار نہیں دیا گیا ہے۔ بلکہ بڑی حد تک خدا کی ایسی تعریف کی گئی جو اس کی شان ہی کے منافی نہیں خود انسان کی شان کے بھی منافی ہے۔ خدا کی ذات کی طرف جو صفات منسوب کی گئی ہیں اگر ایسی صفات کا انسان بھی سوسائٹی میں آجائے تو اسے اپنے ہم جنسوں میں کوئی برتری اور فوقیت حاصل نہ ہو چہ جائیکہ وہ خدا ہو، خالق ارض و سما ہو اس کی پرستش کی جائے اور اس کے آستانۂ جاہ و جلال پر سرنیاز خم کیا جائے صورت اور مادے کا یہ پیکر انسان ہمیشہ مادیت کے شکنجوں میں جکڑا رہا اس لئے اس نے ہمیشہ اپنے خداؤں کو بھی انھیں مادیت سے تراشا اور اس کے آگے سرنیاز خم کیا۔

وہ صرف اسلام ہے جس نے اپنے احکم الحاکمین کی ذات و صفات کو اتنا پاکیزہ اور بلند و بالا رکھا کہ آج تک انسانی عقل کی پرواز وہاں تک نہیں پہونچ سکی۔ یہ اسلام ہی کا کرشمہ ہے کہ انسان کی نگاہ مادیت کے کثیف جال سے آگے بڑھی اور اس نے اپنے حقیقی خدا کو پہچانا جو دنیائے کثافت سے بے نیاز لطیف و خبیر ہے۔ اس کے لئے نہ جہت ہے نہ سمت مگر ہر جگہ ہے کائنات عالم کے سارے نظام کو سنبھالتا ہے، چلاتا ہے ایک حقیر چیونٹی سے لیکر زمین و آسمان کی ساری مخلوقات کی خبر گیری نہیں رکھتا بلکہ انھیں ایک بندھے تلے نظام کے ساتھ رواں دواں بھی رکھتا ہے اور اس کے باوجود نہ وہ تکان محسوس کرتا ہے نہ اسے اونگھ اور نیند آتی ہے وہ اپنے انصاف میں نہ کسی دباؤ کو قبول کرتا ہے اور نہ مجبور ہے جیسا کہ یہودیوں کے لئے جنت دینے پر مجبور سمجھا جاتا رہا ہے، وہ میزان کا مالک ہے۔ دونوں پلڑے اس کی نگاہ اختیار میں ہیں وہ عادل ہے انھیں پر ظلم نہیں کرتا اس لئے ہمیشہ جو جس کا مستحق ہے اسی کو وہ عطا کرتا ہے۔ ان اللہ لیس بظلام للعبید کسی مذہبی گروہ کی ٹھیکہ داری بھی اس کی جناب میں کام نہیں کر سکتی کہ اس کے پیغمبروں نے اپنی امت کا کفارہ ادا کر دیا ہے اس لئے وہ اس پیغمبر کی امت کو جنت دینے پر مجبور ہے۔ جن و انس کے تمام اعمال پر ہر وقت اس کی نگاہ ہے۔ جو غفلت نہیں کرتی۔ اس لئے اس کی سزا و جزا ٹھیک اس کے اعمال کے مطابق ہوگی اس تفصیل کے بعد حضور اکرمؐ کا خطبہ ملاحظہ کریں:

"اللہ نیند سے پاک ہے۔ وہ قسطوں کا مالک ہے۔ میزان کو جھکاتا بھی ہے اور اسے اونچا بھی اٹھاتا ہے اس کے پاس دن کے کام رات سے پہلے اور رات کے کام دن سے پہلے پہونچ جاتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ اس خطبہ کے مخاطب کچھ مخصوص لوگ نہیں، ہر قوم اور ہر عہد کے سبھی لوگوں سے خطاب ہے کہ معبود حقیقی کو پہچاننے کے لئے اس کے سوا اور کوئی دوسرا طریقہ ممکن نہیں۔

ہند و پاک کا سب سے پہلا پندرہ روزہ عربی اخبار

الرائد

جو ۹ سال سے برابر نکل رہا ہے اور علمی مقالات، ثقافتی خبریں، تبصرے عالم عربی و اسلامی کے مختلف علمی ثقافتی حالات کے عربی داں طبقے کے سامنے پیش کرتا ہے

صاحب امتیاز مولانا محمد رابع حسنی ادیب اول دارالعلوم ندوۃ العلماء

بدل اشتراک سالانہ ہندوستان سال بھر کیلئے ۴/۵۰ روپے

ممالک غیر سے ۶/-

پتہ۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

غزوات وسرایا ——— سیرت نبوی کا ایک اہم باب

——— مولانا اسیر ادروی

میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سالہ مدنی زندگی میں جتنے غزوات وسرایا ہوئے ان کے وجوہ اسباب پر انتہائی اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ آپ اس پر تفصیل کے آئینہ میں دیکھئے کہ کوئی غزوہ یا سریہ ایسا نہیں ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کسی شدید وجہ کے محض ان کے کافر ومشرک ہونے کی بنا پر اقدام فرمایا ہو اگر قبائل عرب سے طاقت کے ذریعہ بت پرستی کو مٹانا ہوتا اور بہ جبر مسلمان بنانا اور تلوار کے ذریعے اسلام کی اشاعت منظور ہوتی تو سب سے پہلے ان قبائل پر فوج کشی کی ضرورت تھی جہاں بغرض تبلیغ آپ بار بار تشریف لے گئے اور انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا جیسے بنو صعصعہ، بنو طارق، بنو حفصہ، بنو فزارہ، بنو غسان، بنو مرہ، بنو حنیفہ، بنو عبس، بنو نضر، بنو البکا، بنو کندہ، بنو کلب، بنو حارث بن کعب، بنو عذرہ، حضارمہ وغیرہ، مگر ان قبائل میں سے انھیں کے خلاف مہیں بھیجی گئیں جنھوں نے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا یا اصحاب رسول اللہ کو تنگ کیا، مال واسباب لوٹے یا قتل کیا، یا عہد شکنی کی یا اور کوئی شرارت، باقی جن قبائل نے اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کی ان کے خلاف صرف اس لئے کہ وہ کافر ومشرک ہیں کوئی حملہ نہیں کیا گیا۔ ان حالات میں اصح السیر کا یہ نقطۂ نگاہ کیسے درست ہوسکتا ہے کہ حضور نے ۱۳ سال کی تبلیغ واشاعت میں ناکامی کے بعد تلوار ہاتھ میں لی اور شیطانوں کی آبادی کو فرشتوں کی بستی میں بدل دیا۔ اس میں موعظہ حسنہ، تبلیغ واشاعت وعظ وپند اور اسلام کے محاسن اور اس کے اصول کی خوبی وبرتری کو کوئی دخل نہیں تھا۔ مصنف نے جہاد کی آیتوں کو اس موقعہ پر پیش کرکے یہ ثابت کرنا چاہا کہ جہاد کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ بایں معنی تھا کہ کافروں کی پرسکون آبادیوں میں قتل وغارت گری سے تہلکہ مچا دیا جائے ان کی گردنوں پر تلوار رکھ کر کہہ دیا جائے کہ تم بغیر اسلام قبول کئے ہوئے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں رکھتے ہو، میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں مصنف کو جہاد کے حکم کے صحیح مقصد کی ترجمانی میں سخت ناکامی ہوئی ہے، اسی وجہ سے غزوات وسرایا کو اس پر محمول کرکے واقعات کی اک طرفہ تصویرکشی کی ہے ان کے اسباب کا مطلقاً ذکر نہیں کیا ہے جس سے ناظرین کے دلوں پر یہی اثر پڑتا ہے کہ کفار ومشرکین پر حملہ کرنے اور ان کو تباہ وبرباد کرنے کے لئے کسی سبب اور وجہ کی ضرورت نہیں، اپنے اسی نقطۂ نگاہ سے کام لیکر ان مقدس واقعات کو بدمنظر بنا دیا ہے اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اعتراضات و الزامات کا دروازہ کھول دیا ہے:

غزوات کا مقصد یہ تھا کہ فتنہ وفساد ختم ہوجائے سوسائٹی کو اس قسم کے عناصر سے پاک وصاف کردیا جائے جو اشاعت حق کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں، امن وامان قائم رہے، کسی کا کسی پر ناجائز دباؤ نہ ہو ہر شخص کو آزادی رائے اور آزادی ضمیر کے ساتھ سوچنے اور سمجھنے کا موقعہ ملے تاکہ جب ان کے سامنے اسلام پیش کیا جائے تو انھیں اسے قبول کرنے کا پورا پورا موقعہ میسر ہو، کیونکہ ایسے لوگ تھے جو حضور کو رسول برحق سمجھتے ہوئے بھی اسلام قبول نہیں کرسکتے تھے، رسم و رواج کی بندشیں ان کے سامنے تھیں، خاندانی اولیاء کا دباؤ تھا، بے عزتی اور رسوائی کا خدشہ تھا۔ جان ومال کے خطرات تھے، اس کے نتیجے وہ حق کو تسلیم کرنے سے محروم رہے، سوسائٹی کو ان تمام بندشوں سے آزاد کرنا ہی غزوات کا اصل مقصد تھا، یہی اعلاء کلمۃ اللہ ہے، ان جنگوں میں شرکت کرنے والوں کے لئے ہر ہر قدم پر اجر وثواب ثابت ہے محض بہ حفاظت خود اختیاری نہیں ہے جس کا مدافعانہ لڑائیاں تسلیم کرنے پر طعنہ دیا جا رہا ہے ان جنگوں کا مقصد لوگوں کو مجبور کرنا نہیں تھا کہ وہ عاجز آکر مسلمان ہوجائیں، اس پر سب سے بڑی دلیل صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے۔

اصحاب تاریخ جانتے ہیں کہ یہ صلح مسلمانوں نے کتنی دب کر کی تھی؟ صحابہ کرام کے غم وغصہ کا کیا عالم تھا؟ حضرت عمرؓ جیسے فداکار کی گفتگو کا لب ولہجہ کتنا سخت اور درشت تھا، حضرت علیؓ جیسے جاں نثار نے صلحنامہ تحریر کرتے ہوئے جب کافروں نے رسول اللہ کے لفظ پر اعتراض کیا تو حضور نے فرمایا کہ اسے مٹادو تو اس کی تعمیل کرنے سے انکار کردیا، صلحنامہ مرتب ہونے کے بعد جب صحابہ کرام جیسے جاں نثاروں کو حضور نے نحر اور حلق کا حکم دیا اور بار بار فرمایا مگر ان میں سے ایک آدمی بھی حضور کے حکم پر اپنی جگہ سے نہیں ہلا، اس کے باوجود قرآن نے اس ظاہری شکست کو فتح مبین کے لفظ سے تعبیر کیا۔ کیا یہ صلح ویسی ہی فتح ہے جیسی حکومت وسیاست کی اصطلاح میں بولی جاتی ہے؟ جب کسی کو کسی ملک یا قوم پر فتح حاصل ہوتی ہے تو مفتوح کا جان ومال فاتح کے رحم وکرم پر ہوتا ہے، مال غنیمت ہاتھ آتا ہے، دشمن ذلیل ہوتا ہے، فاتح کا حکم اور قانون چلتا ہے، لیکن یہاں ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا، لیکن قرآن اسے کھلی ہوئی فتح کہتا ہے، کیوں؟ صرف اس لئے کہ حضور کا مقصد ان لڑائیوں سے صرف ایسے حالات پیدا کرنا تھا جس میں اسلام کی اشاعت میں سہولت ہو اور جس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے اسے قبول کرنے کے مواقع اور سہولتیں میسر ہوں، ان پر کوئی دباؤ نہ ہو، وہ مقصد حاصل ہوگیا کیونکہ اس صلح کے ذریعہ جنگ دس سال کے لئے ملتوی ہوگئی، امن کا معاہدہ ہوگیا، اب اسلامی اصولوں کی صداقت وبرتری کے روشن اور واضح ہوکر منظر عام پر آنے کا وقت آگیا۔ اشاعت اسلام کے لئے راہیں ہموار ہوگئیں، یہی قرآن کے لب ولہجہ میں فتح مبین ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ اس فتح مبین کے ذریعہ کبھی کوئی مال غنیمت ہاتھ نہیں آیا، کہیں تمام صحابہ متفق ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام نے جتنی تیزی سے ترقی کی اس سے پہلے اس کا تصور بھی نہیں تھا اور جن صحابہ نے اس صلح کے موقعہ پر اپنے رنج وملال کا اظہار کیا تھا انھوں نے اپنی غلطی کا احساس کیا اور اس کے کفارے میں اپنی زندگی بھر صدقات وخیرات کرتے رہے اگر بقول اصح السیر طاقت کے ذریعہ لوگوں کو اسلام پر مجبور کرنا ہی مقصد ہوتا تو صلح حدیبیہ کا واقعہ تاریخ اسلام کا سب سے زیادہ ناکامی کا واقعہ بن کر رہ جاتا۔

اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اشاعت اسلام کے لئے تمام کافروں سے مقابلہ کے لئے معمور تھے تو مشرکین اور یہودیوں سے صلح کا کوئی سوال ہی نہیں تھا اور جن مواقع پر دشمنان اسلام مسلمانوں کے رحم وکرم پر تھے ان کو ان کی آبادیوں سے منتقل ہونے کا موقعہ نہیں دیا جاتا جیسے یہودیوں کے کئی قبیلوں کو جب وہ مغلوب ہوئے تو انھیں ان کے مال واسباب کے ساتھ دوسری جگہ منتقل ہونے کی سہولتیں بہم پہنچائی گئیں (بقیہ ص ۱۶ پر)

ہندوستان پر نادر شاہ کے حملہ کی دلچسپ داستان

(۵) ——— حافظ محمد حسان علوی بی اے آنرز ایم اے

پشاور اور لاہور پر نادر شاہ کا حملہ

۶ نومبر ۱۷۳۸ء کو ہندوستان کی طرف دوبارہ پیش قدمی شروع کی گئی، ۱۲ نومبر کو نادر شاہ کی قیادت میں مرکزی فوج نے جلال آباد پار کرکے ایک میل آگے اپنے خیمے نصب کردیئے، ۱۲۰ ہزار منجھے ہوئے سپاہیوں کا ایک دستہ اس جگہ سے آگے بڑھ گیا، اس کے بعد ۶ ہزار سپاہیوں کا حفاظتی دستہ شاہی خیموں کی دیکھ بھال کے لئے روانہ ہوا، اس کے بعد پھر مرکزی فوج آگے بڑھی،

افغان کا گورنر ناصر خاں اپنے معمول کے مطابق پشاور میں سکونت پذیر تھا کہ اس نے کابل پر نادر شاہ کی فتح کی خبر سنی اور ساتھ ساتھ ہندوستان کی طرف پیشقدمی کی بھی۔ اس نے خیبر اور پشاور کے اضلاع سے ۲۰ ہزار افغانوں کو جمع کرکے ۱۲ میل دور علی مسجد اور جمرود کی آخری چوکی کے راستوں کو مسدود کردیا۔ اس کے نصف بھوکے اور ہنگامی حالات کے پیش نظر بھرتی شدہ ناتجربہ کار سپاہی ان ایرانی تجربہ کار سپاہیوں کے آگے کسی بھی حالت میں ایک منٹ بھی نہ ٹھہر سکے، جو سیکڑوں فتوحات کے جھنڈے گاڑتے ہوئے پیدائشی جنرل کی قیادت میں ایک زبردست طوفان کی طرح بڑھے چلے آرہے تھے۔

نصر اللہ مرزا کے ماتحت اپنا ساز وسامان باری قاب (جلال آباد سے ۳۰ میل مشرق) میں چھوڑ کر ۱۴ نومبر کو بعد نماز عصر نادر شاہ اپنے کیمپ سے روانہ ہوا اور سیہ شوبا کے راستے سے اپنے ہلکے پھلکے ساز وسامان کے ساتھ مستقل آگے بڑھتا رہا، گوکہ راستے بڑے ہی خطرناک تھے۔ لیکن پھر بھی اس نے دوسرے دن صبح ۸ بجے تک ۵۰ میل کی مسافت طے کرلی تھی اور خیبر کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے ہندستانی فوج کے میسرہ پر اچانک حملہ کردیا۔ نادر شاہ کی ایک ہی ضرب میں ناصر خاں کی نئی بھرتی شدہ فوج تتر بتر ہوکر رہ گئی لیکن اس نے چند گھنٹوں تک اپنی مستقل فوج کے ساتھ مزاحمت کی مگر آخر میں، وہ اور اس کے افسران قید کرلئے گئے اور اس کی بقیہ فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور اس کا تمام ساز وسامان اور خیمے فاتحین کے ہاتھ لگے۔[1]

فتح کے تیسرے دن ایرانی کیمپ

دوسرے راستوں سے وہاں پہونچ گئی، ۱۸ نومبر کو نادر شاہ بغیر کسی مزاحمت کے پشاور میں داخل ہوا اور گورنر کے محل میں سکونت اختیار کی۔ آقا محمد کی قیادت میں ایک طاقتور فوجی دستہ ملک کو لوٹنے اور غارت کرنے کے لئے آگے روانہ کیا گیا اور ساتھ ساتھ اٹک میں دریائے اندس پر پل بنانے کا بھی حکم اس کو دیا گیا۔

آگے کی پیشقدمی جاری رکھنے کے لئے پنجاب کے دوسرے پانچ دریا پیدل پار کئے، لاہور سے ۹۰ میل دور شمال مغرب میں وزیر آباد کے قریب دریائے چناب کو ۸ جنوری ۱۷۳۹ء میں پار کرلیا گیا۔

لاہور کے گورنر زکریا خاں (گو کہ شہنشاہ نے اس کی کوئی مدد نہیں کی تھی) نے جتنا بھی ہوسکا اس نے محدود ذرائع سے حفاظتی تدابیر اختیار کرلی تھی۔ قلندر خاں کی قیادت میں ۵ ہزار سپاہی لاہور سے ۳۰ میل شمال میں امین آباد کے مقام پر روانہ کئے گئے۔ تاکہ وہ کاچھا مرزا کے قلعہ کی حفاظت کریں اور گورنر بذات خود ۱۰، ۱۲ ہزار کی فوج کی ہمراہی میں شاہ دولہ کے پل پر ایک زبردست ستون کی طرح کھڑا ہوگیا۔ ایرانی دستے نے قلعہ کو فتح کرلیا۔ قلندر خاں مارا گیا، اور پھر یہ دستہ آگے بڑھتا ہی چلا گیا۔ زکریا خاں کو جب اس شکست کی خبر ملی، تو وہ لاہور کی طرف تیزی سے روانہ ہوگیا، اور نادر شاہ نے شہر کے شمال میں ۲۰ میل دور شاہ دولہ کے پل کی طرف بڑھنا شروع کیا، یہاں پہونچکر ایرانی وزیر عبدالباقی خاں نے زکریا خاں کو لکھا کہ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم ہتھیار ڈال دو اور بیکار انسانی خون بہانے سے بچو۔

لاہور کے شمال میں دریائے راوی کے ساحل کو زکریا خاں نے خندقیں کھود کر محصور کرلیا تھا اور ایرانی پیش قدمیوں کو روکنے کے لئے فوج کو بڑی بڑی ٹکڑیوں میں بانٹ دیا تھا، ۱۰ جنوری ۱۷۳۹ء کو نادر شاہ شاہ دولہ کے پل سے روانہ ہوا اور لاہور کے چاروں طرف کا ایک طویل چکر کاٹ کر اور مغلوں کی حفاظتی تدبیر بہت پیچھے چھوڑ کر بائیں طرف سے اس نے دریا کو عبور کرلیا اور شہر کے مشرقی حصے سے ۵ میل دور شالیمار باغ میں اپنے خیمے نصب کردیئے، زکریا خاں تمام دن ایرانیوں کے داخلے کو پسپا کرتا رہا۔ ۱۱ جنوری کو ایک زبردست جھڑپ ہوئی، لیکن علی الصباح زکریا خاں کا لڑکا بہت سے آدمیوں کے ساتھ میدان جنگ چھوڑ کر دہلی کی طرف تیزی سے روانہ ہوگیا۔ عدینہ نگر کے زمیندار کی قیادت میں ہندوستانیوں کی ایک زبردست فوج زکریا خاں کو کمک پہونچانے کے لئے آرہی تھی کہ ملک پور کے مقام پر ایرانی فوج کی ٹکڑیوں نے لاہور سے ۱۲ میل دور اچانک حملہ کرکے ان کو منتشر کردیا، ان میں بہت سے سپاہی گرفتار کرلئے گئے۔

دہلی سے مدد کی کوئی امید نہیں تھی، اس لئے زکریا خاں نے مزاحمت کو بیکار سمجھ کر اپنے ایجنٹ کفایت خاں کو نادر شاہ کے کیمپ کی طرف ہتھیار ڈالنے کی پیشکش کے ساتھ روانہ کیا اور اس سے امن وامان اور حفاظت کی التجا کی، دوسرے دن وہ خود فاتح نادر شاہ کے پاس گیا اور قلعہ کی کنجیاں اس کے حوالے کرتے ہوئے چند ہاتھی اور کچھ نادرات تحفے کے طور پر پیش کیں، نادر شاہ نے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ۲۰ لاکھ روپے کا مطالبہ بھی اس کے ساتھ رکھ دیا جس میں نصف تو خزانہ سے اور نصف مالدار لوگوں سے جمع کرکے ۱۴ جنوری کو زکریا خاں ایرانی بادشاہ کے پاس گیا اور اس کا مطالبہ ادا کردیا۔ اس طریقے سے اس نے نادر شاہ کے ظلم وتشدد اور غارت گری سے لاہور کو بچا لیا۔

نادر شاہ نے اس کا شاندار استقبال کرتے ہوئے اس کو خلعت فاخرہ سے نوازا، ایک عرب گھوڑا، ایک زین جس پر سونے کا کام بنا ہوا تھا، ایک قیمتی ساز اور جواہرات سے مرصع ایک تلوار بھی پیش کی، اس کے بعد لاہور کی گورنری دوبارہ اس کو دے دی گئی لیکن اس کا دوسرا لڑکا حیات اللہ خاں یرغمال کے طور پر ایرانی فوج

[1] تاریخ جہاں کشا نادری کا مصنف مرزا مہدی بیان کرتا ہے کہ ناصر خاں اپنی فوج کو ایک جگہ جمع کرکے ایرانیوں کے ساتھ کچھ وقت جنگ کرتا رہا، ناصر خاں جب زخمی حالت میں گرفتار ہوگیا تو اس نے اپنا نام اور منصب بتادیا ——— تذکرہ کا مصنف آنند رام بیان کرتا ہے کہ — ناصر خاں اپنے بستر پر سو رہا تھا کہ اس کو اس حملہ کی خبر ملی، تو وہ چند خادموں اور چراغ خاں بیگ کے ساتھ گھبراہٹ میں فرار ہوگیا۔

ہے روک دیا گیا لیکن اس کا منصب نہیں گھٹایا تھا،

نادر شاہ نے سولہ دن لاہور میں گزارے۔ معزول شدہ گورنر فخر الدولہ جو یہاں گمنامی اور غربت کی زندگی گزار رہا تھا، نادر شاہ نے دوبارہ اس کو کشمیر کا گورنر مقرر کر دیا، ناصر خان کو بھی حوالات سے نکال کر کابل اور پشاور کا دوبارہ گورنر مقرر کیا گیا، ایک ایرانی دستہ کو پنجاب کے دریاؤں کی چھوٹی کشتیوں کی حفاظت اور بڑی کشتیوں پر قبضہ کرنے کے لئے روک کر اس کو حکم دیا گیا کہ "وہ آمد و رفت کے راستوں کی خوب اچھی طرح سے دیکھ بھال کریں، تاکہ سیاحوں کو کسی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے" اس طریقے سے حملہ آوروں کی اور میمنہ پوری طرح محفوظ ہو گیا۔

لاہور کے دوران قیام میں اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ محمد شاہ نے جنگ کا فیصلہ کر لیا ہے اور اپنی سلطنت کے چاروں طرف سے فوجیں جمع کرنے میں لگ گیا ہے تب نادر شاہ نے اس کو لکھا کہ:

"میں ترکی النسل ہوں اور آپ بھی تیموری خاندان سے ہونے کے ناطے اس سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے میں دوستانہ ارادوں سے آپ کے پاس آ رہا ہوں، میرے دماغ میں جنگ کا کوئی نقشہ نہیں ہے، میں پھر آپ کو یقین دلاتے ہوئے کہتا ہوں کہ میں نے مغل سرحد کو صرف اس لئے پار کیا تھا، تاکہ میں افغانوں کو سزا دے سکوں، وہ جتنے ایران کے دشمن تھے، اتنے ہی ہندوستان کے بھی تھے — مجھے آپ سے بجا طور پر شکایت ہے کہ آپ نے میرے تین سفیروں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا اور سفارتی اور دوستانہ طریقوں اور اصولوں کو آپ نے پامال کیا ہے۔ آخر میں آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ اگر آپ نے جنگ کی تو اس کے نتائج انتہائی سے زیادہ خطرناک ہوں گے۔ حالانکہ میں نے آپ کے فوجی افسران کو شکست دینے کے بعد معاف کر دیا ہے اور پھر ان کو ان کی سابقہ پوزیشن پر برقرار بھی کر دیا ہے۔"[1]

نادر شاہ کے حملے نے سارے پنجاب میں افراتفری اور غارتگری مچادی، ایک ہراول دستہ اس کے حکم سے آگے روانہ کیا گیا تاکہ وہ شہروں اور دولت سے بھرے ہوئے گاؤں پر اچانک حملہ کر کے ان کو غارت کرتا آگے بڑھے چلا جائے اور ساتھ ساتھ فوج کے لئے صوبہ کے ۳۰، ۴۰ میل آگے کی طرف دیکھ بھال بھی کرتا جائے، عتک پہنچ کر نادر شاہ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ "رحم و کرم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، تم لوگ خوب لوٹو اور غارتگری مچادو۔" وزیر آباد، ایمن آباد، اور گجرات جیسے شہر اور بڑے بڑے گاؤں جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دیئے گئے۔ تمام قابل زراعت زمین برباد کر دی گئی، اور عورتوں کے ساتھ ناجائز دست اندازی سے بھی یہ لوگ باز نہیں آئے۔ تلوک داس عینی شہادت دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"لاہور اور جالندھر اور جو شہر راستہ میں آئے بالکل غارت کر دیئے گئے۔ لیکن اس صوبہ کی یہی بدقسمتی نہیں تھی۔ ایک غیر ملکی حملہ آور کو اس کی عین خواہش کے مطابق غیر قانونیت پھیلانے کا موقع مل ہی جاتا ہے۔ لٹیرے اور غارت گر، جب تک حکومت کے دباؤ میں رہتے ہیں اس وقت تک ٹھیک رہتے ہیں، لیکن جہاں انھوں نے دیکھا کہ حکومت حفاظتی جنگ میں مصروف ہے، وہ فوراً اپنا کام انجام دینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔"

شیخ علی حزیں اس وقت لاہور سے سرہند جا رہا تھا، وہ واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"پورے صوبے میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بغاوت ہو گئی ہو۔ ہر شخص غارت گری اور لوٹ مار کرنے میں پیش پیش تھا، اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں کوشاں تھا اور ہزاروں لٹیروں نے عام راستوں پر بھی ادھم مچا رکھی تھی۔"[2]

لاہور سے کرنال کی طرف نادر شاہ کی پیش قدمی

۲۶ جنوری ۱۷۳۹ء کو لاہور سے روانہ ہو کر نادر شاہ ۵ فروری سرہند پہونچ گیا۔ یہاں آکر اس کو معلوم ہوا کہ محمد شاہ اپنی فوج کے ساتھ صرف ۷۰ میل کے فاصلے پر کرنال میں خیمہ زن ہے، نادر شاہ نے شاہی کیمپ تک دیکھ بھال کرنے کے لئے ۶ ہزار فوجوں کا ایک دستہ روانہ کیا، تاکہ وہ مغلوں کی صحیح طاقت اور فوج کی تعتیم اور ترتیب کے بارے میں رپورٹ دے، دوسرے دن خاص فوج سرہند سے ۱۰ میل دور جنوب مشرق میں راجہ سرائے (موجودہ راجہ پورہ) پہونچ گئی، اس کے بعد پیش قدمی برابر جاری رہی اور ۷ فروری کو امبالہ پہونچ کر رک گئی یہاں نادر شاہ نے اپنے حرم کی عورتوں اور بھاری سازو سامان کو ایک زبردست فوج کی حفاظت میں چھوڑا اور خود روانہ ہو گیا، اپنی ہلکی توپیں اونٹوں پر سوار کرائے، لوٹا ہوا امبالہ سے ۱۷ میل مشرق میں بہ مقام شاہ آباد پہونچ گیا یہ جگہ کرنال سے صرف ۳۶ میل دور تھی،

اسی دوران ایرانی دستہ ۷ اور ۸ فروری کی درمیانی شب میں مغل کیمپ کے قریب پہونچ گیا تھا، ان لوگوں نے مغلوں کے توپ خانہ میں اچانک حملہ کر کے چند آدمیوں کو قتل کر ڈالا، اور آخر میں چند لوگوں کو گرفتار کر کے سرائے عظیم آباد کی طرف روانہ ہو گئے جو کرنال سے صرف ۱۲ میل کے فاصلے پر تھا، دوسرے دن رات کو ان لوگوں نے چند مزید ہندوستانیوں کو گرفتار کر کے نادر شاہ کے سامنے پیش کیا، اس نے ان لوگوں سے مغل فوج کے بارے میں دریافت کیا، عظیم آباد والے دستہ کو اور زیادہ طاقتور بنا کر خبردار کیا گیا کہ "وہ چوکنا ہو کر آگے بڑھیں۔" ۱۰ فروری کو نادر شاہ شاہ آباد سے روانہ ہوا اور ۱۳ میل جنوب میں تھانیسر کے مقام پر شام تک پہونچ گیا اور پھر ۱۱ فروری کو سورج نکلتے نکلتے صرف ڈیڑھ گھنٹہ کی مسافت طے کر کے سرائے عظیم آباد پہونچ گیا۔

سرائے بڑے بڑے پتھروں اور اینٹوں سے بنی ہوئی تھی، جس میں فوجدار اور امبالہ کے خاص خاص لوگ پناہ گزیں تھے۔ لیکن جیسے ہی ایرانی توپ خانہ نے گولے برسانا شروع کئے، ان لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے، یہاں نادر شاہ کو کرنال میں خیمہ زن شاہی افواج کے متعلق ساری اطلاعات مل گئیں، جو کہ اب صرف ۱۲ میل دور رہ گیا تھا۔

(باقی آئندہ)

[1] جہاں کشائے نادری ص ۳۴۶، ۵۰۲، ۳۴۳

[2] آنند رام ص ۱۶-۱۱۔

بقیہ انٹرویو مولانا مسعود علی ندوی

گاؤں سے آدمی لے آؤں گا اور تمام چیزیں یہیں رہیں گی اور دار المصنفین قائم ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، تمام مخالفتیں دب گئیں اور آج آپ دار المصنفین کو اس حالت میں دیکھ رہے ہیں۔

مولانا یہ کہہ ہی رہے تھے کہ رکشا آگے بڑھ گیا اور مجھ کو ایسا معلوم ہوا کہ سامنے کے اونچے اونچے درخت اور باعظمت در و دیوار یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔

یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ
یاد رکھنا فسانہ ہیں یہ لوگ

براہ کرم
خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے

نکالنا ہے تو حرم کی متبرک زمین بھی تمھیں نکال کر نہیں دے گی۔ اگر تم غزالی و رازی بننا چاہتے ہو — بات تو بہت بڑی ہے، چھوٹا منہ بڑی بات — لیکن اگر تم نے عزم کر لیا ہے کہ تمھیں غزالی و رازی بننا ہے تو تم یہیں بن سکتے ہو ...... افسوس ہے کہ آج ...... ہمارے مدرسوں میں تو بے دین پیدا ہو رہے ہیں، تارک الصلوٰۃ پیدا ہو رہے ہیں اور یونیورسٹیوں میں، لندن و فرانس کے کالجوں میں، یاجوج و ماجوج کی آغوش میں، بتکدۂ آذری میں ابراہیم پیدا ہو رہے ہیں، جس طرح آذر کے گود میں ابراہیم پیدا ہوئے، اسی طرح آج یورپ کے بتکدے میں ابراہیمؑ کی دعوت کے حاملین پیدا ہو رہے ہیں۔

میرے عزیزو! تاریخ میں جتنی بھی عظیم شخصیتیں نظر آرہی ہیں، ان کے ساتھ ان کے اساتذہ کا بھی تذکرہ ہے اور ہونا بھی چاہئیے۔ دنیا اتنی احسان فراموش نہیں ہے اور مستقبل کا مورخ جب تمھاری سوانح لکھے گا تو وہ تمھارے اساتذہ کا تذکرہ ضرور کرے گا، لیکن یہ یاد رکھو کہ بغیر تمھارے عزم کے اور بلا تمھاری محنت کے کچھ بھی نہیں ہو سکتا میں دس سال تک ندوے میں درس دے چکا ہوں، اور پندرہ سال سے نظامت کے کاموں سے متعلق رہا ہوں میری اس پچیس سالہ تدریسی و تنظیمی زندگی کا تجربہ ہے۔ اساتذہ کو جتنا تجربہ ہوتا ہے وہ کسی بھی بڑے سے بڑے ماہر نفسیات کو نہیں ہو سکتا، مجھے معلوم ہے کہ کتنے ہی بچے آتے ہیں ان کے ساتھ ان کے سرپرست آتے ہیں۔ اس طرح سفارش کرتے ہیں کہ دل بھر آتا ہے اور ان کو داخل کرنے کے بعد بھی طرح طرح سے ہدایا بھیج کر خطوط کے ذریعے توجہ دلاتے رہتے ہیں لیکن وہ بچے بالکل ناکارہ ہوتے ہیں، اس کے برعکس بہت سے بچے ایسے آتے ہیں جو بالکل گمنام ہوتے ہیں، لاوارث ہوتے ہیں، ان کے ساتھ ان کا کوئی سرپرست بھی نہیں آتا ادھر ادھر سے پوچھ کر داخلہ لے لیتے ہیں لیکن وہ باکمال ہو کر جاتے ہیں۔ اور جب کوئی امتیاز پیدا کرتے ہیں تب میں ان سے واقف ہوتا ہوں، اساتذہ چاہیں، والدین چاہیں لیکن بچہ نہ چاہے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا، اور اگر کوئی نہ چاہے لیکن بچہ چاہے تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

میرے عزیزو! اگر کوئی لاکھ چاہے کہ میرا بیٹا ایسا ہو جائے اور بیٹے نے نہیں چاہا تو ایسا نہیں ہو سکتا کتنے ہی علم دوست بلکہ عالم بادشاہ گذرے ہیں کیا انھوں نے نہیں چاہا ہوگا کہ میرا بیٹا بھی عالم ہو جائے، دور مت جائیے، اورنگ زیب ہی کو دیکھ لیجئے، اشوک و اکبر کے بعد کوئی بھی بادشاہ اتنے بڑے تخت کا مالک نہ رہا ہوگا اور اتنا ہی علم دوست اور ذی علم بادشاہ کم از کم دہلی کے تخت پر نہیں بیٹھا ہوگا۔ اس نے ملک کے بڑے بڑے علماء کو جمع کر کے فتاویٰ ہندیہ (جس کو فتاویٰ عالمگیری بھی کہتے ہیں) مرتب کرا دیا کیا وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا یا نہ کیا ہوگا کہ ان میں چند علماء کو منتخب کر کے اپنے لڑکے اعظم شاہ یا معظم شاہ کی تعلیم پر مقرر کر دے لیکن اس کی اولاد میں کوئی بھی عالم نہ ہوا، کتنے ہی ایسے علماء گذرے ہیں جو عالم ہونے کے ساتھ ساتھ عالم گیر اور عالم ساز تھے لیکن ان کی اولاد عالم نہ ہو سکی کیا انھوں نے نہیں چاہا ہوگا کہ ان کا بیٹا بھی عالم ہو جائے اور سب سے آخر میں حضرت نوح علیہ السلام کی مثال لے لیجئے جس کے بعد اور کوئی مثال نہیں ہو سکتی، وہ اپنے بیٹے کو نہ شریک حیات کر سکے اور نہ شریک آخرت۔

میرے عزیزو! تم یہ بات لکھ لو کہ اگر تم نے ارادہ کر لیا ہے کہ یہاں سے استعداد پیدا کر کے نکلنا ہے تو تم انشاء اللہ کامیاب ہو گے، میں دیکھ رہا ہوں، تم میں کچھ ایسے طلبہ ہیں جو اس پر آشوب اور معصیت افزا دور میں صاحب کمال بن کر نکلیں گے۔ میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ اس وقت عربی زبان و ادب کا جو نصاب موجود ہے اس سے بہتر نصاب کبھی بھی ہندوستان میں نہیں تھا، یہ میرے فکر کا موضوع ہے میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں .... خود دار العلوم ندوۃ العلماء میں عربی زبان و ادب کا اس سے بہتر نصاب نہیں ہو سکا، جیسا کہ اس وقت ہے۔ نہ عربی زبان و ادب کے استعمال کرنے والے ایسے تھے جیسے اس زمانے میں ہیں جب میں آج سے پچیس سال پہلے خود ندوے کا نصاب دیکھتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے کہ عربی زبان سے واقف کرانے کے لئے اس نصاب کو کیسے رکھا گیا، لیکن اس نصاب کو پڑھ کر سید سلیمان ندوی نکلے جو علم میں اپنے اکثر اساتذہ سے کہیں آگے تھے۔ اسی نصاب کو پڑھ کر مولانا مسعود عالم ندوی نکلے جن کو خط لکھتے ہوئے ایک بہت بڑے مستشرق نے لکھا کہ میں آپ کو علامہ لکھ رہا ہوں اگرچہ آپ عمر میں آپ مجھ سے بہت چھوٹے ہیں لیکن آپ کا مجھے علم علامہ لکھنے پر مجبور کر رہا ہے۔ اسی نصاب کو پڑھ کر مولانا محمد ناظم ندوی نکلے جن کا آج پورے پاکستان میں جواب نہیں۔ یہ وہ علماء ہیں جن کا عالم عربی کے ادباء لوہا مان گئے، حالانکہ اس وقت عربی کا ناقص نصاب تھا، لکھنے پڑھنے کے ایسے وسائل مہیا نہیں تھے نہ کسی عرب سے ملاقات کی نوبت آتی تھی، مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ موتی گنج میں ایک عرب آئے تھے تو ہم لوگ شد رحال کر کے ان سے ملاقات کرنے گئے تھے۔ لیکن آج تم گھر بیٹھے ریڈیو سن سکتے ہو اعلیٰ سے اعلیٰ مضامین پڑھ سکتے ہو۔ وقتاً فوقتاً عرب وفود سے ملاقات بھی ہوتی رہتی ہے۔ پھر کیا بات ہے کہ کوئی مسعود عالم ندوی [illegible] پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا صرف ایک جواب ہے۔ وہ یہ کہ ان کو ایک جنون تھا کہ عربی کے اعلیٰ سے اعلیٰ معانی نہیں، انکو عربی لکھنے پڑھنے سے دلچسپی تھی۔ اس لئے وہ اپنے منزل مقصود پر پہونچے لیکن آج اتنی آسانیاں ہیں اس کے باوجود تمھاری انشاء کی کاپیاں یا مقالے دیکھتا ہوں تو ڈر لگتا ہے کہ میں خدا کو کیا جواب دوں گا۔ وجہ یہی ہے کہ وہاں عزم تھا یہاں عزم نہیں ہے، وہاں ارادہ تھا یہاں ارادہ نہیں ہے۔

میرے عزیزو! دوسری بات یہ ہے کہ علماء اسلام نے بلا شبہ اپنی تصنیفات میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا ہے وہ آسمان سے تارے توڑ کر لائے ہیں اور ان کو کتابوں میں بند کر دیا ہے۔ اسلام کو یہ فخر ہے کہ اس امت میں ایسے لاتعداد علماء و مصنفین پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے سمندروں کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ مصنفین اسلام کی یہ ساری تحقیق و جستجو تسلیم، مگر قرآن و حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے میں اعلان کرتا ہوں کہ انسان کے سینے میں جو علوم و فنون موجود ہیں ان کا ہزارواں حصہ بھی کتابوں میں نہیں آسکا ہے۔ میری یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ نے انسان کے ذہن، قلب اور دماغ میں جو کمالات ودیعت کئے ہیں، یہ سارے علوم و فنون ان کی ایک فیصدی بھی نمائندگی نہیں کر سکتے اس لئے کہ جو کچھ ملا ہے وہ انسانوں سے ملا ہے، ہم نے اپنے سارے تجربات کا نچوڑ آپ کے سامنے رکھ دیا ہے اور برابر تمھارے نصاب میں ضرورت کے مطابق ترمیم کرتے رہتے ہیں اور ہمیں یہ اعتماد ہے کہ اس زمانے میں بہتر سے بہتر جو نصاب ہو سکتا ہے وہ موجود ہے لیکن سمجھ لو کہ تم کو جو کچھ انسان سے مل سکتا ہے وہ کتابوں سے نہیں [illegible] ایک صاحب یقین کی صحبت، صرف تھوڑی دیر کی صحبت وہ فیض پیدا کر سکتی ہے جو ان سارے کتب خانوں میں نہیں [illegible] ہے۔ یہ تسلیم ہے کہ تم اپنے اپنے دماغوں میں علوم و فنون کا خزانہ جمع کرو لیکن یہ خزانہ کبھی الحاد و زندقہ کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ اگر اس کے مصرف کو سمجھنا ہے تو یہ کسی انسان کی صحبت سے حاصل ہوگا۔ ہر چیز کو فائدہ مند بنانے والا اکسیر ذوق ہے۔ تم بہتر سے بہتر کتابیں پڑھ سکتے ہو لیکن اس کا کیا علاج کہ تم پڑھتے ہو مگر [illegible] میں کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمھارے اندر وہ ذوق نہیں ہے تم نگاہ میں نشیب و فراز دیکھنے [illegible] کوئی امام غزالی ہے اور کسی کا ہم نام بھی نہیں جانتے [illegible] ابن تیمیہ ہے اور ان کے زمانے میں بہت سے ایسے [illegible] تھے جو علم و فضل میں ان سے بڑے تھے لیکن ان کا کو [illegible]

نام بھی نہیں جانتا۔ فرق معلومات کا نہیں ہے۔ نگاہ اور ذوق کا فرق ہے۔ وہی کتاب الہٰی اور کسی کتاب کا نام کیا لوں، شیخ عبدالقادر جیلانی نے پڑھی اور وہی ان کے معاصروں نے۔ لیکن ان کی عظمت کا راز معلومات نہیں ہیں وہ فرق فائدہ اٹھانے کی صلاحیت کا ہے اور اثر و تاثر کا ہے جو ان کے اندر کتاب اللہ پڑھنے سے ہوتا ہے۔

میرے عزیزو! میں مانتا ہوں کہ تم نے بہت کچھ پڑھ لیا تم نے تفسیر میں، فقہ میں یا حدیث میں مہارت حاصل کر لی، تقریر بھی سیکھ لی، تحریر کی بھی صلاحیت آ گئی، لیکن وہ ذوق کہاں سے لاؤ گے جو قلب میں تاثر پیدا کر دے اور تم کو تڑپا دے ؎

واعظ کا ہر اک ارشاد بجا تقریر بہت دلچسپ مگر
آنکھوں میں سرورِ عشق نہیں چہرے پہ یقیں کا نور نہیں

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اصل چیز یہ ذوق ہے جس سے تم اچھے برے کو سمجھنے لگو اور تم میں وہ اخلاص پیدا ہو جائے کہ تم ہر چیز کو اپنے مقصد کے تابع کر لو اور یہ چیز صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ چند کتابوں کے پڑھنے سے یا درس میں شریک ہونے سے تم باکمال بن جاؤ گے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ تم کو ایسے لوگوں کی صحبت کی ضرورت ہے جن کی ایک نظر سے تم بہت سی ایسی چیزوں سے واقف ہو جاؤ جو محض تجربہ کا نتیجہ ہیں تم اپنے اساتذہ کی صحبت کو غنیمت جانو اور اس سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس موقع پر مجھ سے یہ توقع کی جاتی ہے اور بجا بھی ہے کہ میں تم سے کہوں کہ تم ایک دینی درسگاہ کے طالب علم ہو۔ تم میں فلاں فلاں کمزوریاں نہیں ہونی چاہئیں۔ تم اس درسگاہ کے طالب علم ہو جس سے سید سلیمان ندوی نکلے، مولانا عبدالباری ندوی نکلے کیا تم سے ایسی امید کی جا سکتی ہے کہ تم کوئی ایسی حرکت کرو گے جو تمہارے مقصد کے خلاف ہے۔ اگرچہ تجربے نے مجبور کر دیا ہے کہ تم کو ان باتوں سے منع کیا جائے، لیکن پھر بھی میں گوارا نہیں کر سکتا کہ تم سے ایسی بات کہوں اور اگر میں یہ کہوں تو تم کو احتجاج کرنا چاہئے کہ حضرت ہم ایسے گئے گذرے نہیں ہیں کہ ہم کو ان باتوں سے منع کیا جائے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کوئی شخص کسی ایسے شہزادہ کو سمجھائے جس کے خاندان میں پشتہا پشت سے سلطنت چلی آ رہی ہو اور اس سے کہے میاں دیکھو کہیں سڑک پر گری پڑی چیزیں نہ اٹھا کے کھانا، کبھی گری پڑی ہڈیوں کو نہ چبانا، کسی بھنگی کے دسترخوان پر کھانا نہ کھانا، تو اس کا انجام کیا ہوگا کہ وہ مار کر دربار سے نکال دیا جائے گا —— تمہاری شان اس سے بھی بلند ہے، تمہارا تعلق سرچشمۂ نبوت سے ہے تم نبوت کے دسترخوان کے مہمان ہو۔ جب اس شخص سے اس قسم کی باتیں نہیں کہی جا سکتیں تو پھر تم لوگوں سے کیسے کہی جائیں۔

میں اپنی گفتگو ختم کر رہا ہوں، اور آخر میں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں کہ آپ کا مکہ یہیں ہے۔ آپ کا مدینہ یہیں ہے۔ آپ کو حرم کی ضرورت ہے۔ میں نے شام و مصر بھی دیکھا ہے۔ جامعہ ازہر اور جامعہ دمشق کو بھی دیکھا ہے۔ اور میں بہت سی جگہوں کا مشیر بھی ہوں بہت سی جگہوں عالم میں ہوں، میں تم کو مدینہ جانے سے نہیں روکتا۔ اتنا ضرور کہتا ہوں کہ تم پہلے اپنے اندر مدینہ جانے کی صلاحیت پیدا کر لو۔ تم وقت سے پہلے کندر نہ بنو، پہلے اپنے اساتذہ کی سند حاصل کرو۔ اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرو اور ہم کو مجبور کر دو کہ ہم لوگ تم سے خود کہنے لگیں کہ اب تم مدینہ جا سکتے ہو۔ کسی ایک نحوی نے دوسرے نحوی پر اعتراض کیا تو اس نے جواب دیا: قد زببت قبل ان تحصرم: تم پکنے سے پہلے گدر ہو گئے کہیں تم بھی ایسے ہی نہ ہو جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں جانے پر یہ صدا آئے ؎

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم نہ دادند
تو بروں در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

میرے عزیزو! تمہاری عظمتوں کا خزانہ یہیں دفن ہے۔ تم اس کو یہیں رہ کر برآمد کر سکتے ہو۔ اور اس کو اپنے لئے، سارے ملک کے لئے عالم اسلام کے لئے اور پوری انسانیت کے لئے مفید بنا سکتے ہو۔

بقیہ غزوات و سرایا

اور کسی سے نہیں کہا گیا کہ تمہیں اب یہاں مسلمان بن کر رہنا ہوگا، غزوہ تبوک کے موقعے پر جبکہ آپ کے ساتھ ایک لشکر جرار تھا چند چھوٹے چھوٹے قبیلوں سے آپ نے صلح فرمائی جبکہ انھیں جبراً مسلمان بنا لینے کی ساری سہولتیں موجود تھیں لیکن کسی پر جبر نہیں کیا گیا کہ تم مسلمان ہو جاؤ صلح کی کوئی گنجائش نہیں ایلہ والوں سے صلح کی گئی۔ اہل جرباء اور اذرح والوں کے ساتھ صلحنامہ مرتب ہوا، حاکم اکیدر حاضر ہو کر صلح کا خواستگار ہوا۔ چنانچہ اس سے بھی صلح کر لی گئی اور ان تمام کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا اور کسی پر جبر نہیں کیا گیا کہ وہ اسلام قبول کرے۔

جہاد فی سبیل اللہ کا مقصد غلبہ و اقتدار حاصل کرنا ہے یعنی زمام حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو تاکہ اسلام مغلوب و مجبور ہو کر نہ رہے۔ شعائر اسلامی کا غلبہ ہو، اسلام کے شرعی قوانین اور معاشرتی تہذیبی آئین کے نفاذ میں سہولتیں ہوں، اسلام کے مکمل ضابطہ حیات کے نفاذ کے لئے حکومت ضروری ہے۔ بغیر اقتدار اعلیٰ حاصل کئے اسلامی سوسائٹی منصہ شہود پر نہیں آ سکتی اس کے بہت سے قوانین اور احکام کے نفاذ کے لئے غلبہ و اقتدار لازمی ہے اس لئے مسلمانوں پر جہاد فرض کیا گیا۔

بقیہ اسلام کی سچی رہنمائی

اور اگر مناسب تبدیلیاں نہ کی گئیں تو وہ دن بھی دور نہیں جب لوگ سامنے آ کر مقابلہ کریں گے اور امریکی قوم پارہ پارہ ہو جائے گی۔

اور پھر اسی کے ساتھ ایک طرف تو امریکہ اپنی پیداوار، دولت اور علاقہ کی وسعت کے باوجود انسانی، اخلاقی اور روحانی ترقی سے بالکل تہی دست ہے، وہاں کسی قسم کی فکری توانائی نہیں ہے اور نہ اعلیٰ انسانی اقدار کے لئے کسی قسم کا انتظام و اہتمام بلکہ نیگروں کے ساتھ امریکیوں کا سلوک ان کی اخلاقی پسماندگی کا بیّن ثبوت ہے،

اس بڑھتی ہوئی خودغرضی، شہوت پرست عناصر کی پیش قدمی اور بے راہ روی کو روکنے اور بھلائی کی تعلیم اور انسانی عزت و منزلت حاصل کرنے کے لئے آج اسلام کی بہت زیادہ ضرورت ہے

رہبرِ حُجّاج

آسان زبان میں حج و زیارت کے مسائل
کا بیان اور بعض مسائل کی عمدہ تحقیق

از
محدث جلیل علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی
قیمت صرف ۷۵ نئے پیسے

مکتبہ اعظمی، مئو، اعظم گڑھ

پرنٹر پبلشر محمد الحسنی نے شاہی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا